جلد 25 شمارہ 12 ماہ دسمبر 2023ء جمادی الاول/جمادی الثانی 1445ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباعِ رسول، کثرتِ ذکر مکارمِ اخلاق اور خدمتِ خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصودِ حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائضِ منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رح

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ 0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورت البقرہ آیت نمبر 47 میں یہودیوں پر اپنے انعامات کی یاد دہانی کرواتے ہوئے بتایا ہے کہ میں نے اُنہیں جہان والوں پر فضیلت کا اعزاز بخشا تھا۔اسکے بعد یہودیوں کے جرائم اور بدمعاشیوں کا تذکرہ اتنا طویل ہوتا گیا کہ آیت نمبر 101 تک اللہ تعالیٰ نے انکوایک ایک کر کے خود گنوایا اوراعلان کیا کہ ''ان (یہود) پر ذلت اورمحتاجی، بز دلی، کم ہمتی، مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کا غضب لیکر لوٹے''۔

اللہ نے اپنے اس غضب کا اظہار سورت آل عمران کی آیت نمبر 112 میں دوبارہ کیامزید برآں یہودیوں کی شیطنت کی وجہ سے انہیں ذلیل ترین بندروں کی شکل میں تبدیل کردیا گیا۔قارئین سے استدعا ہے کہ قرآن کریم کے مذکورہ مقامات میں یہود کے خلاف پیش کردہ چارج شیٹ ضرور دیکھیں۔ اسکے بعد غزہ کے نہتے مردوں،عورتوں اور بچوں پر جاری اہل یہود کی درندگی وابلیسیت ،قرآنی چارجز کی تصدیق کرتے نظر آئیں گے۔

غزہ میں جاری مسلمانوں کی نسل کشی اور دیگر بلاد اسلامیہ میں کفار کی دست درازیوں کا حل بھی قرآن نے تجویز کیا ہے جس کواپنا کرہم اس تکلیف دہ صورت حال سے نکل سکتے ہیں۔سورت النساء آیت نمبر 75 میں فرمایا''اے مسلمانوں،تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال / جنگ نہیں کرتے ان کمزور و بے بس مردوں،عورتوں اور بچوں کی خاطر جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال اوراپنی طرف سے ہمارے لیے کوئی حامی اور مددگار بھیج''۔اسکے علاوہ درجنوں دیگر مقامات بھی یہی پیغام دے رہے ہیں کہ کفار کے ساتھ جہادو قتال کی راہ ہی دنیاو آخرت کی رسوائی سے بچا سکتی ہے۔مگر کیا کیجئے کہ

60 سے زائد مما لک کے نام نہاد مسلمان لیڈران اور سینوں پر تمغے سجائے جرنیلوں کی اتنی ہمت ہی نہیں کہ وہ اسرائیل کو للکار سکیں۔ اِسی بزدلی کا فائدہ اٹھا کر کفار نے ایک ایک کر کے عراق، شام، لیبیا، افغانستان، فلسطین کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور دیگر مسلم مما لک میں کٹھ پتلی حکومتوں کے ذریعے اپنے شیطانی ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔ جہاں ہمارے حکمرانوں میں ایمان و جہاد کی محبت ندارد ہے وہیں انکی کھوپڑی میں اتنا بھیجہ بھی نہیں کہ آپس میں فوجی و معاشی اتحاد ہی کر لیں جس کی وجہ سے کفار کی دست برد سے کسی حد تک محفوظ ہو سکیں۔

بطور عوام ہمیں بھی اپنی اپنی سطح پر ایسے اقدامات ضرور اٹھانے چاہئیں جن سے ہماری دلی وابستگی کا اظہار اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کیساتھ ہو سکے، منظم احتجاج کے ذریعے اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ سفارتی محاذ پر اسرائیل کا بائیکاٹ کریں۔ روزانہ نماز کے بعد اور خصوصاً جمعۃ المبارک کے اجتماعات میں فلسطینی مجاہدین کے حق میں دعائیں کی جائیں اور غاصب یہودیوں اور کفار کے خلاف بددعائیں کی جائیں اپنی ماہانہ کمائی کا مخصوص حصہ ضرور فلسطینی بھائیوں کی امداد کے لیے وقف کریں۔ امریکہ، یورپ اور اسرائیلی مصنوعات کا منظم اور مستقل بائیکاٹ کریں، سوشل میڈیا کے مؤثر استعمال کے ذریعے یہودیوں اور کفار کے پروپیگنڈے کا پردہ چاک کیا جائے، اپنی اولادوں کو اسلام کا سچا پکا محافظ بنائیں اور انکی اس نہج پر تربیت کریں کہ وہ عملی زندگی میں پہنچ کر اپنی تمام صلاحیتیں مسلم اُمہ کے مفاد میں لگا سکیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو آمین۔

والسلام!

مدیر

فلاح آدمیت

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(سید رحمت اللہ شاہ)

☆ 'توحید' اور 'محبت' کو نہ بھولیں۔توحید کو اس لئے نہیں کہ اس پر اسلام اور مذہب کی بنیاد ہے اور محبت اس لئے کہ ہمارے سلسلہ کی بنیاد ہے۔یہ ہمارا اثاثہ ہے۔

☆ 'طالب' اور 'مرید' میں فرق یہ ہے کہ مرید فیملی (Family) کا حصہ بن جاتا ہے، وہ مرنے کے بعد بھی دعاؤں میں شامل ہو جاتا ہے۔طالب نہیں ہوتا۔

☆ بیعت کے ساتھ آپ توبہ کرتے ہیں۔جب توبہ کر لی تو ان باتوں کو (Revise) نہیں ہونا چاہئے۔جو باتیں بتائی جائیں، وہ کریں، جن کا وعدہ کیا ہے۔ترجیح اسی کو دینی ہوگی جو تعلیم آپ نے سیکھی ہے۔آپ کی ترقی کا دارومدار جو ہے وہ ایسی باتوں پر منحصر ہے۔ جتنا زیادہ کریں گے اتنا زیادہ فائدہ ہوگا، جتنا کم کریں گے اسی قدر کم فائدہ ہوگا۔

☆ جب آپ بیعت ہو جاتے ہیں تو آپ کا ہر عمل مرشد کے کہنے کے مطابق ہونا چاہئے اگر اس کے خلاف کریں گے تو فیض ملنا بند ہو جائے گا۔مرشد اگر دل میں نہ بھی رکھے تو بھی یہ ہو جاتا ہے، خود (Automatic) ہو جاتا ہے۔جو مرشد بن گیا ہے، خواہ وہ نکما ترین انسان ہے مگر آپ نے اس سے دلی تعلق رکھنا ہے، اسی سے ترقی ہو گی۔جب تک

توحیدی رنگ پکا نہ ہو، ادھر اُدھر نہیں جانا چاہئے، جب رنگ پکا ہو جائے تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔ ہر بات کو پورے (Confidence) سے کریں۔ ان شاء اللہ ایک دن یہ تخمتی پوری ہو جائے گی اور آپ کنارے پر لگ جائیں گے۔

(شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ جناب محمد یعقوب صاحب توحیدی کی گفتگو سے اقتباس)

☆ خوب اللہ اللہ کرنا۔ اللہ والوں سے ملتے رہنا۔ آپس میں اکیلے اکیلے نہیں لوٹتے رہنا۔ اللہ والوں سے ملتے رہنا، اللہ کی مخلوق سے ملتے رہنا، اور اللہ کے بارے میں بات چیت کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ اللہ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اللہ اپنے دین کی خدمت لے لے ہم سے، اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ جسے عطا کردے یہ بہت بڑی سعادت ہے۔

☆ جب ایک بھائی دوسرے سے اللہ کے لئے ملتا ہے تو اس بہانے اللہ یاد آجاتا ہے اللہ کی بات ہوتی ہے تو آدمی دل میں اللہ اللہ کرنا شروع کردیتا ہے۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اپنے بھائی سے ملنے آیا ہوں مگر اللہ یاد آجاتا ہے۔ اللہ اللہ ہو جاتی ہے۔ جب آپ لوگ سامنے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دکھانے کے لئے ہی سہی، جب اللہ کی بات کرتے ہیں تو اللہ مہربان ہے کہ چلو اسی موقع سے ہی سہی اگر یہ فائدہ اٹھا رہے ہیں تو مجھے دینے میں کیا حرج ہے۔ وہ اللہ تو سخی ہے، دے دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہئے۔

☆ آپ جو کچھ اپنے لئے کرتے ہیں یہ اللہ کے ہی کام ہیں۔ یہ دنیا ہے اور یہ آخرت، یہ اپنے دل سے نکال دو۔ آپ جو بھی دنیا کے لئے کام کرتے ہیں یہ دنیا سیڑھی ہے آخرت کی یہاں پر آپ اگر اچھے طریقے سے چلیں گے تو وہی آپ کی عبادت ہے۔ اس کو غلط مت سمجھیں

آپ کون سا وہاں کوئی غلط کام کر رہے ہیں کہ گناہ ہوگا۔وہ بھی ثواب ہے۔آپ حلال کا رزق کمانے کے لئے جتنی محنت کرتے ہیں وہی عبادت ہے۔سارا کچھ عبادت ہے۔مسلمان کی زندگی عبادت سے عبارت ہے۔بس اگر وہ مسلمان ہو۔بس مسلمان بننے کی کوشش کریں۔ جو تعلیم آپ کو بزرگوں نے دی ہے،اس پر عمل کریں تو آپ کا ہر قدم جو آپ اُٹھائیں گے وہ عبادت ہے۔بچو! ہر قدم اللہ کی عبادت ہے۔بس آپ زندگی حکم کے مطابق گزاریں تو ساری زندگی تمہاری عبادت ہے۔دنیا و دین کیا ہے؟ سب ایک ہی ہیں۔

☆ ایک دوست نے اپنے روزمرہ ذکر کے بارے میں بتایا کہ تھوڑا بہت ہو رہا ہے۔ اس پر فرمایا:

تھوڑا اور بہت نہیں ۔ بہت کرو ذکر،تھوڑے سے کام نہیں چلے گا۔جیسی اللہ نے جان دی ہے،اس کے مطابق ویسے ہی اللہ اللہ بھی کرو۔اس سے تم تھکو گے، نہ کمزور ہو گے۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔تگڑے ہو گے ان شاء اللہ۔اللہ اللہ کیا کرو۔تم اتنے پرانے دوست ہو ہمارے۔تمہیں تو دوسروں کو بھی کہنا چاہئے،تم خود تھوڑا بہت کرتے ہو؟ تم تو دوسروں سے کہو کہ بھئی تم اللہ اللہ کیوں نہیں کرتے؟ اللہ اللہ کراؤ سب سے۔سستی نہیں۔آج بچو تمہاری یہ صحت ہے ناں،اللہ کرے قائم رہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ بالآخر یہ گھٹتی رہتی ہے۔یہ مزا جو آج تمہیں ذکر کرنے میں، چلنے پھرنے میں، رہنے سہنے میں،کھانے پینے میں آتا ہے ناں وہ کل نہیں آئے گا۔یہ وقت یاد کر کر کے پھر حیران ہو گے کہ یار کیسا وقت گزر گیا۔اس وقت سے فائدہ اُٹھاؤ۔جتنا ہو سکے اللہ کو یاد کر لو۔خوب اللہ اللہ کرو تا کہ وہ جو کمزور وقت ہو اس کی قضاء بھی نکال لو۔ضروری ہے یہ۔کمزوری تو آنی ہی آنی ہے۔سورۃ یٰسین میں آتا ہے ناں کہ

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ.

کیا تمہیں سمجھ نہیں ہے کہ جب تم بوڑھے ہو جاتے ہو تو تمہاری (Nature) ہی بدل جاتی ہے۔ مڑ کے چھوٹے بن جاتے ہو۔ تمہیں سمجھ نہیں آ رہی۔ یہ اللہ میاں کے کام ہیں۔ اپنے آپ کو اُن حالات کے لئے تیار کرو۔ یہی عقلمندی ہے۔ اس وقت جتنا اللہ اللہ کرو گے، اُس وقت پچھتاؤ گے نہیں۔ ورنہ جیسے خدانخواستہ جو غیر مسلم ہیں وہ قیامت کے دن پچھتائیں گے اور مسلمان جو ہیں یہ بڑھاپے میں پچھتائیں گے کہ ہم نے اپنا وقت ضائع کر دیا وہاں تو اللہ میاں کرم کر دے گا لیکن یہ بڑھاپے میں پچھتاوا آتا ہے اگر غلطیاں ہوئی ہوں۔ خیر یہ پچھتاوا بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اللہ میاں پھر معاف کر دیتا ہے، رحم کر دیتا ہے لیکن پچھتاوا بہر حال ہوتا ہے تو اس سے بچنے کے لئے ابھی اللہ اللہ کرو۔

☆ حلقۂ ذکر میں آ کر پرانی فقیری کی بات کرنے والے ایک مہمان کے بارے میں فرمایا:

انہیں طریقت تو حید یہ پڑھاؤ پھر وہ (پرانی فقیری والے) کہیں گے کہ وہ تو بہت مشکل کام تھا، اصل کام تو یہ ہے جواب ہوا۔ یہ جواب ہمیں ملا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر متاثر ہوں گے اور خوش ہوں گے۔ بتائیں انہیں کہ وہ پرانی فقیری والا تو بہت مشکل کام تھا یہ بڑا اچھا کام ہے پہلے پیر صاحب کیساتھ آنکھیں اُٹھا کے نہیں بیٹھ سکتے تھے، چوکڑی مار کے نہیں بیٹھ سکتے تھے، باقاعدہ التحیات کی طرح بیٹھنا پڑتا تھا۔ اونچی آواز میں نہیں بول سکتے تھے۔ آنکھیں نیچے رکھتے تھے۔ وہ بڑا مشکل کام تھا۔ یہ تو اب آپ پیر صاحب کے ساتھ گپیں لگاتے ہیں۔ آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔ جو پوچھنا ہو پوچھتے ہیں، جو کرنا ہو کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ یہ آسان کام ہے۔ یہاں آؤ۔ وہ پرانی باتیں چھوڑو۔ یہاں آؤ۔ کم کھاؤ اور اُونچا جاؤ۔

☆ ایک مرید سے آپ نے حال احوال پوچھا تو روحانی ترقی کی بات چلی جس پر فرمایا: بابا جی (انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے کہا کہ میں اس وقت کس مقام پر ہوں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ آپ خود اپنا حساب لگائیں کہ حلقے میں آنے سے پہلے آپ کا میل ملاپ کیسا تھا؟ اور اب کیسا ہے؟ اگر اب بہتر ہے تو سمجھیں کہ آپ ترقی کر گئے، اگر نہیں تو پھر ویسے ہی ہیں۔

یہ بہت اچھا ہے اگر آپ نے (Feel) کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے آپ کو روحانی ترقی دے دی ہے۔ اگر آپ کا اخلاق صحیح ہوا ہے تو اس روحانیت میں بھی آپ نے ترقی کی ہے۔ میں آپ سے یہی پوچھنا چاہتا تھا۔ بڑا اچھا ہوا۔ اللہ آپ کو ہمت دے، حوصلہ دے، اور استقامت بخشے۔ اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ مقام ہے۔

آپ لوگوں میں ایک بات اور [Additional] ہے۔ وہ پتا ہے آپ کو؟

وہ (Additional) بات یہ ہے کہ اخلاق کے تزکیہ کے لئے ہی لوگ تصوف کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ صوفی بنتے ہیں ان کا پہلا مشن اخلاق کا تزکیہ کرنا ہوتا ہے۔ دوسرا ہوتا ہے روحانیت، اور تیسرا پھر رویت باری تعالیٰ یا معرفت۔ لیکن جو پہلا ہے وہ اخلاق کا تزکیہ ہوتا ہے۔ یہ یاد رکھیں۔ آپ کا پہلا قدم ترقی کا اخلاق کے ذریعے ناپا جائے گا۔ اخلاق اپنا صحیح کریں گے تو سمجھیں کہ آپ صوفی بن گئے۔ یہ امام غزالیؒ کا فیصلہ ہے۔ وہ کئی بڑے بڑے مدرسوں میں گھوما پھرا، دیکھا۔ وہ بہت بڑا عالم تھا۔ اسے کہیں بھی مزا نہیں آیا۔ صوفیوں میں گیا تو کہیں وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میں نے دیکھا کہ یہ واحد جماعت ہے جو پورے اسلام کو لے کے چلتی ہے کیونکہ یہاں اخلاق پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ صوفیوں کی جماعت سب سے اچھی ہے۔ یہ امام غزالی نے فیصلہ دیا۔

ہمارے بابا جی (انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی بھی جب مولانا کریم الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، اور آپ سے پوچھا کہ آپ کس لئے مرید ہونا چاہتے ہیں تو آپ نے سب سے پہلے کہا کہ میں نے تزکیہ اخلاق کرنا ہے۔ اس کے بعد تھا روحانی طاقت اور پھر رویت باری تعالی۔ آپ کو فرمایا گیا کہ آپ کو پہلی دو باتیں تو میرے ذریعے سے مل جائیں گی، تیسری بات آپ کو میرے ذریعے سے نہیں ملے گی۔ اخلاق کا تزکیہ صوفیوں کا سب سے بڑا کام ہے۔ اس کا سارے خیال رکھیں۔

بابا جی (انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فخر کیا کرتے تھے کہ مجھے لوگ ملتے ہیں اور میرے مریدوں کے بارے میں بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں تو اس زمانے میں صحابہ جیسی عادتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ فرماتے تھے کہ مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ ایسا ہونا چاہئے۔ اگلوں پر آپ لوگوں کا اثر ہو کہ یہاں ایسے لوگ رہتے ہیں۔ یہ بڑی ضروری باتیں ہیں۔

بابا جی (انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کہا کرتے تھے کہ فقیر بننا آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ آپ چاہیں تو ایک لمحے میں فقیر بن جائیں اور اگر چاہیں تو سو سال میں بھی نہ بنیں پوچھا گیا کیسے؟ تو کہنے لگے کہ آپ بے غیرت بن جائیں بس۔ گالیاں کھائیں اور دعائیں دیں جو یہ حوصلہ پیدا کرلے وہ جلدی فقیر بن جائے گا۔ جو یہ نہیں کرے گا اسے یہ کرنے میں وقت لگے گا جب تک یہ نہیں کرے گا، فقیر نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری سنت ہی یہی تھی۔ زندگی بھر آپ نے کتنی سختیاں جھیلیں، بری باتیں سنیں۔ کبھی ماتھے پر شکن تک نہیں آیا۔ بدلہ لینا یا بد دعا دینا یہ تو دور کی باتیں ہیں۔ کبھی ماتھے پہ شکن تک نہیں آئی۔ دعائیں ہی کرتے رہے۔ یہ اخلاق پیدا کریں۔ اصل بات یہ ہے۔ ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔

پچھلے ہفتے سا ہی میرے پاس ایک بچہ لے کے آیا کہ اسے بیعت کرلیں ۔ میں نے کہا بچے تم بیعت ہونے کے لئے آئے ہو، ابھی میں تمہیں دو گالیاں دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ وہ کہتا ہے کہ اٹھوں گا،لڑوں گا۔ میں نے کہا بس ٹھیک ہے بچو ابھی تم جاؤ۔ تم ذرا کامیاب ہو کے آ جاؤ،تھوڑا سا برداشت کرنا سیکھ لو، پھر تمہیں بیعت کریں گے۔ یہ جو بات ہے یہ اپنے آپ میں پیدا کرنی پڑے گی ۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ حضور ﷺ کی سب سے پیاری سنت ہی یہ ہے۔

☆ آج میں ہوں کل کوئی اور ہوگا، آج آپ ہیں کل کوئی اور ہوگا،لیکن حلقہ یہ قائم رہے اور یہ پھلتا پھولتا رہے۔ ہماری زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی یہی خواہش ہو کہ ہمارا حلقہ چل رہا ہے اور اس میں اللہ اللہ ہو رہی ہے۔ بس یہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ دوسرے بھائیوں کو جن سے ملاقات ہو تو میرا سلام پیش کر دینا۔ اللہ حافظ و ناصر ہو۔

(آن لائن محفل مورخہ ۱۳ نومبر ۲۰۲۲ء کی گفتگو سے اقتباسات)

از مکتوبات محمد صدیق ڈار توحیدیؒ

(مورخہ ۲۰ اپریل ۲۰۰۰ء از تونکھر)

(بنام سید عطا ءاللہ شاہ۔عاشق پور لسوڑی)

آپ کا خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی ۔ہم آپ جیسے بیٹوں کو جو ہم سے پیار کرتے ہیں کیسے بھول سکتے ہیں ۔ہمیں خود بھی آپ کی پڑھائی کی فکر مقدم رہتی ہے کیونکہ تعلیم سے ہی بنیاد پختہ ہوتی ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنی پوری توجہ تعلیم پر دیں کیونکہ دل میں شوق ہوتو اللہ اللہ کسی وقت بھی شروع کی جاسکتی ہے ۔آپ خوب محنت کریں اوراللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں ۔اس کا فضل ہو جائے تو بیڑا پار ہو جاتا ہے ۔میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں ۔اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے اورامتحان کے دوران دل و دماغ کو تازہ رکھےاور مدد فرمائے ۔آمین! آپ کو کنونشن پر اسی لئے نہیں بلایا تا کہ آپ امتحان کے لئے خوب تیاری کرسکیں ۔آپ وہاں بیٹھ کر ہمیں یاد کرتے رہیں تو آپ کا حصہ آپ کو وہاں ہی مل جائے گا بلکہ کچھ زیادہ ہی ملے گا کیونکہ آپ جو گھر کی ڈیوٹی سنبھالیں گےاسی وجہ سے باقی لوگ اجتماع میں شریک ہوں گے۔

میں اسمائے باری تعالیٰ میں سے چند ناموں کا وظیفہ آپ کے لئے تجویز کر رہا ہوں ۔اس وظیفہ کو تعداد کے تعین کے بغیر ہر نماز کے بعد تھوڑا تھوڑا پڑھ لیا کریں ۔عشاء یا فجر کے بعد اگر ممکن ہو تو ایک ایک تسبیح بھی اس کی پڑھ لیا کریں ۔ان شاءاللہ یہ عمومی شکایات دور ہو جائیں گی اور حالات میں مثبت تبدیلی آجائے گی ۔وظیفہ یہ ہے: یَا وَدُودُ یَاوَالِیُ یَا مَاجِدُ یَا وَاسِعُ یَا نَافِعُ

بندے کو نیکی پر چلتے رہنا چاہئے اور حالات جیسے بھی ہوں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر خوشی خوشی قبول کر لینا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اسی میں میری بھلائی ہے۔

تمام اہل خاندان اور اہل حلقہ کو سلام ۔

معاشی مقاطعہ کی شرعی حیثیت

(مولانا زاہدالراشدی)

فلسطینی مظلوم بھائیوں کی حمایت اوراسرائیلی جارحیت و درندگی کے خلاف احتجاج کےطور پرامت مسلمہ کے بہت سے حلقے اسرائیل اوراس کے پشت پناہوں کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہم چلا رہے ہیں اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمدتقی عثمانی نے بھی اسے ایک بیان میں ایمانی غیرت اورقومی حمیت کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے اس کی حمایت کی ہے۔ یہ معاشی مقاطعہ قوموں کے درمیان جنگ کا ایک حصہ ہوتا ہے اور جہاد اسلامی کا بھی اہم شعبہ ہے آج کی گفتگو میں دورنبوی ﷺ میں اس کی صورتحال کے حوالے سے ایک دو واقعات عرض کرنا چاہتاہوں۔معاشی کشمکش، بائیکاٹ اور ناکہ بندی وغیرہ قوموں کی باہمی آویزش کا ہمیشہ سے حصہ چلی آرہی ہے۔جناب نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد دس سالہ مدنی دور میں ستائیس کے لگ بھگ جنگوں میں خودشرکت فرمائی ہے۔ اس دوران معاشی محاصرہ، ناکہ بندی بائیکاٹ کے بہت سے واقعات تاریخ کے ریکارڈ کا حصہ ہیں جن میں دوپیش کررہاہوں۔

انصار کے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رسول اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعداور بدر کے معرکہ سے قبل عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گئےتو قریش کے سردار ابوجہل نے انہیں دیکھ کر یہ کہہ کران سے الجھنے کی کوشش کی کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو پناہ دی ہے اوران کی مسلسل حمایت ونصرت کررہےہوتم اتنے آرام اوراطمینان سے مکہ مکرمہ آکرعمرہ کیسے کرسکتے ہو؟

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت سعد بن معاذ نے ابوجہل کو اس کا سختی سے جواب دیا اور فرمایا کہ اگر تم نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ تمہارے قریش کے تجارتی قافلے شام جاتے اور آتے ہیں جس کے راستے میں ہم رہتے ہیں ہم نے اگر راستہ بند کر دیا تو شام کے ساتھ تمہاری تجارت کا ماحول باقی نہیں رہے گا۔ابوجہل یہ سن کر رک گیا اور اسے مزید کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوا جبکہ حضرت سعد بن معاذ اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ان کی معاشی ناکہ بندی کی دھمکی کام کر گئی اور اس نے ابوجہل کے قدم روک لیے۔

دوسرا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے کہ یمامہ کے علاقہ سے بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال ؓ قبول اسلام سے پہلے عمرہ کے لیے جا رہے تھے کہ راستہ میں مسلمان مجاہدین کے ایک گروپ کے قابو آ گئے اور گرفتار کر کے قیدی کے طور پر مدینہ منورہ لائے گئے۔اس دور کے معمول کے مطابق انہیں مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔گرفتار ہونے والے قیدی کافر قیدیوں کو اس طرح مسجد نبوی کے ماحول میں ایک دو روز رکھا جاتا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اسلام اور مسلمانوں کا دینی ماحول دیکھ لیں۔جس کے بعد اکثر یہ قیدی مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ثمامہ بن اثال ایک بڑے قبیلہ کے سردار تھے۔نبی اکرم ﷺ نے ان سے قید کے دوران پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ کا قیدی ہوں قتل کریں گے تو بدلہ لینے والے موجود ہیں وہ اپنا کام کر لیں گے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ناشکری نہیں کروں گا۔جناب نبی اکرم ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا وہ مسجد نبوی کے ماحول میں دو تین روز گزار چکے تھے آزاد ہونے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ سے دریافت کر کے عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے جہاں ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر پہنچ چکی تھی اور

قریش کے کچھ لوگوں کو ان پر غصہ بھی تھا مگر جب بعض حضرات نے اس غصہ میں ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا چاہی تو انہوں نے کہا دیکھو تمہارے ہاں مکہ مکرمہ میں گندم ہمارے علاقہ یمامہ سے آتی ہے اگر میرے ساتھ کوئی گڑبڑ کی تو یمامہ کے علاقہ سے گندم کا ایک دانہ تمہارے پاس نہیں پہنچ پائے گا۔ انہوں نے صرف دھمکی نہیں دی بلکہ یمامہ پہنچ کر اس پر عمل بھی کر دکھایا انہوں نے وہاں کے زمینداروں اور کسانوں کو مکہ مکرمہ گندم بھیجنے سے منع کر دیا جس پر قریش کو بہت پریشانی ہوئی۔ انہوں نے جناب نبی اکرم ﷺ کے پاس وفد بھیجا کہ آپ کے ساتھ ہمارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ (صلح حدیبیہ) چل رہا ہے مگر آپ کے ایک ساتھی نے یمامہ سے مکہ مکرمہ گندم کی سپلائی روک دی ہے آپ نے حضرت ثمامہ بن اثال کو خط لکھ کر سپلائی بحال کرنے کا کہا اور انہوں نے ناکہ بندی ختم کر دی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک کے واقعات میں سے یہ دو میں نے یہ بتانے کے لیے عرض کیے ہیں کہ معاشی بائیکاٹ محاصرہ اور ناکہ بندی قوموں کے درمیان جنگ کا حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی جہاد کا بھی ایک اہم شعبہ ہے اور سنت نبوی ﷺ اور اسوہ صحابہ کرام کے مطابق ہے۔ اس لیے بیت المقدس کی آزادی اور فلسطینی مظلوموں کی حمایت کے لیے ان کے دشمن ممالک کے خلاف معاشی بائیکاٹ ملی غیرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ ایمانی تقاضہ بھی ہے جسے منظم و مربوط کرنے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے لیے اپنے اپنے حصہ کی محنت کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

استغنا

ایک ایرانی عالم کا قصہ جو تاعمر آمر مطلق کو عوام پر شفقت ورحم کرنے کا کہتا رہا

(ڈاکٹر محمد سلیم اختر)

1925 میں ایران میں سردار سپہ رضا خان کے ہاتھوں پہلوی دور کے آغاز سے قبل جس خاندان نے کوئی سوا سو سال کے قریب بادشاہت کی وہ قاچار کہلاتے تھے۔قاچاری کے آخر اور پہلوی دور کے اوائل کے ایک معروف شاعر ادیب، دانشور اور سیاست دان شیخ الملک عبدالحسین اورنگ (متوفی 1944) کی یادداشتوں میں مرقوم ہے کہ مجھے ایک دن رضا شاہ کے حضور پیش ہونے کا موقع ملا بادشاہ نے بغیر کسی تمہید کے اچانک مجھ سے یہ سوال کر دیا کہ استغنا سے کیا مراد ہے؟ جہاں تک میری سمجھ بوجھ تھی میں نے بادشاہ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کی اس پر بادشاہ کا ردعمل کچھ یوں تھا:

اچھا! تو اسے کہتے ہیں استغنا۔اور پھر گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا جب میری حیثیت ایک سادہ سے سپاہی سے زیادہ نہ تھی اور میں سلطان آباد اراک میں تعینات اور میری تنخواہ سات تومان ماہانہ تھی ایک دن میں اپنی گھسی پٹی فرسودہ سی وردی میں شہر کی ایک روحانی شخصیت سے ملنے چلا گیا جونہی ان کی نظر مجھ پر پڑی انہوں نے مجھے قریب بلا کر اپنے پاس غالیچے پر بٹھا لیا اور میرا حال احوال پوچھنے لگے اور معاً میری آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے بولے کہ تم ایک دن اس مملکت کے مقتدر بادشاہ بننے والے ہو۔

مجھے یوں لگا جیسے مجھ ایک سادہ اور ناچیز سپاہی پا کر وہ میرے ساتھ مذاق کر رہے

ہوں میں ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ موصوف گویا ہوئے: میری بات کی تمہیں سمجھ آئی ہے؟ تم ایک دن اس ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بادشاہ بننے والے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ بعض علما اور مجتہدین میں حسِ مزاح کچھ زیادہ ہوتی ہے ۔لگتا ہے حضور میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں ۔بزرگ نے جواب دیا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل حقیقت ہے اور میں اپنی اس بات پر بالکل قائم ہوں میں نے عرض کیا کہ اگر بفرض محال ایک دن ایسا ہو ہی جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

بولے کچھ نہیں فقط اتنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرنا ٹھیک دس برس بعد میری ان صاحب سے شہر رَے میں حضرت شاہ عبدالعظیم حسنی کے مزار پر دوبارہ ملاقات ہوگئی مجھے شہر رَے سے کرمان شاہ کا سفر درپیش تھا اور اب میں وہ پہلے والا بھولا بھالا سادہ سپاہی نہیں تھا جو ایک عشرہ قبل اراک میں ان سے مل چکا تھا۔

ہوا کچھ یوں کہ موصوف یکا یک میرے سامنے آگئے اور میرے حال احوال کی بابت سوال کرنے لگے اتنا لمبا عرصہ گزر چکنے کے باعث میرے ذہن سے ان کی شکل صورت اتر چکی تھی میں ابھی انہیں پہچاننے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ وہ بولے میں نے سلطان آباد اراک میں تمہارے بارے میں جو بات کہی تھی اس کے پورا ہونے کا وقت قریب آ چکا اور یہ بات کہتے ہی مجھ سے جانے کی اجازت چاہی۔

چلتے چلتے میں نے ان سے پوچھا کہ اگر کسی دن آپ کی یہ پیشین گوئی واقعی پوری ہوگئی تو آپ کی مجھ سے کیا توقع ہوگی؟ بولے کے میری صرف اتنی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ شفقت اور محبت کا سلوک کرنا۔اس کے بعد میری موصوف سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی یہاں تک کہ دسمبر 1925 میں ان کا کہا سچ ثابت ہوگیا۔بادشاہ بنتے ہی اگلے دن

اس شخصیت سے ملاقات کی خواہش میرے دل میں انگڑائی لینے لگی لیکن مجھے تو ان کا نام تک بھی بھول چکا تھا فقط ان کی شکل وصورت آنکھوں کے سامنے تھی اور اتنا یاد تھا کہ ان کی عمر ڈھل چکی تھی سید نہیں تھے چونکہ ان کے سر پر سفید عمامہ تھا اور یہ بھی احساس تھا کہ موصوف ایک درویش صفت انسان تھے اور مال و دولت سے انہیں کوئی شغف نہ تھا۔ میں نے اپنے اے ڈی سی کو بلا کر یہ ساری معلومات اس کے حوالے کیں اور بتایا کہ آج سے بیس سال قبل وہ اراک میں رہتے تھے اور حکم دیا کہ جیسے بھی ہو ان کا کھوج لگایا جائے۔

بالآخر ان صاحب کی رہائش گاہ کا پتا چل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ گزشتہ کچھ عرصے سے تہران ہی میں مقیم ہیں۔ میں نے ان سے اپنے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا اور طے پایا کہ اگلے جمعہ کے دن صبح آٹھ بجے حضرت شاہ عبدالعظیم کے مزار پر ہماری ملاقات ہوگی۔ میں بھیس بدل کر وہاں پہنچ گیا دیکھا وہ بزرگ ایک گوشے میں تشریف فرما ہیں۔ جمعہ کا دن ہونے کے باعث وہاں زائرین کا غیر معمولی ہجوم تھا اور میری بھرپور کوشش تھی کہ مجھے کوئی پہچان نہ سکے مجھے دیکھتے ہی موصوف کھڑے ہوگئے اور رسمی طور پر مجھ سے میری خیریت دریافت کی۔

میں اُن کے ساتھ ہی بائیں جانب بیٹھ گیا۔ انہوں نے سابقہ ملاقاتوں کا ذکر کیا اور نہ مجھے بادشاہ بننے پر کوئی مبارکباد دی۔ میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی جو بھی خواہش ہو مجھے بتائیں۔ میں اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا اور آج آپ کی خدمت میں میری حاضری کا مقصد وحید بھی یہی ہے۔ اللہ والے نے جواب دیا کہ میری اپنی کوئی آرزو نہیں میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمیشہ شفقت اور محبت سے پیش آنا۔

میں نے عرض کیا کہ کیا آپ اتنے مال دار ہیں کہ کسی قسم کی مالی اعانت قبول کرنے کے روادار نہیں؟ کہنے لگے کہ میں سرمایہ دار اور ثروت مند تو نہیں لیکن استغنا کی دولت سے ضرور مالا مال ہوں۔ میں نے ہر ممکن اصرار کیا کہ موصوف مجھ سے کسی شے کی خواہش کریں لیکن ان کا ایک ہی جواب تھا کہ میرا استغناہی میری دولت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں دل سے آپ کا گرویدہ ہوں اور میری انتہائی تمنا ہے کہ گاہے بگاہے میری آپ سے ملاقات ہوتی رہے لیکن انہوں نے بڑے معذرت آمیز لہجے میں جواب دیا کہ اگر آپ مجھے آئندہ ملاقاتوں سے معاف رکھیں تو میرے اوپر آپ کی یہ بہت بڑی عنایت ہوگی۔

رضا شاہ کا بیان ہے کہ جب میں ملاقات کے بعد واپسی کے لیے اٹھا تو موصوف مجھے رخصت کرنے کی غرض سے ازراہ مہربانی کفش داری تک بہ نفس نفیس میرے ساتھ آئے ان سے جدا ہونے کے بعد رَے سے تہران کے سارے سفر کے دوران میرے ذہن میں جو ایک ہی لفظ گھوم رہا تھا وہ تھا استغنا۔ اب کئی سال کے بعد یہ لفظ یاد آیا تو میں نے سوچا کہ تم سے اس کا مفہوم جاننے کی کوشش کروں۔ شاید تم اس پر کچھ روشنی ڈال سکو اس کے بعد رضا شاہ چند لحظے کے لیے کسی سوچ میں گم رہا اور پھر یوں گویا ہوا یہ بزرگ صحیح معنوں میں ایک درویش ہیں ان کا نام حاج شیخ عبداللہ حائری مازندرانی ہے اور یہ آج بھی بقید حیات ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ رضا شاہ ایک معمولی پڑھا لکھا شخص تھا اس نے ملازمت کا آغاز قازق بریگیڈ کے ایک عام سپاہی کے طور پر کیا جس کی تشکیل وتربیت روسی فوجی کی طرز پر اور اسی کے زیرِ نگرانی انجام پائی تھی۔ مزے کی بات یہ کہ ایک نان کمیشنڈ آفیسر کے طور پر ایک دفعہ وہ ایک فوجی دستے کے ساتھ تہران میں جرمن سفارت خانے کی حفاظت پر مامور ہوا تو دوران ماموریت اس کی سفارت خانے کے بعض ایرانی ملازمین

من جملہ ہٹلر سے دوستی ہوگئی۔ بادشاہ بننے کے بعد جب جرمن سفارت خانے میں اسے ایک دعوت پر جانے کا اتفاق ہوا تو اس کے وہ سابق دوست اب بھی مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔

خطاؤں سے پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اپنی تمام برائیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اگر رضا شاہ کو جدید ایران کا بانی اور معمار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس نے اپنے سولہ برسوں کے دور اقتدار میں داخلی طور پر اور خارجہ محاذ پر جو اہم اور دوررس اصلاحات کیں ان سے اس کی خداداد صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جہاں تک رعایا کو جزا اور سزا دینے کا تعلق ہے شاہ کا نظریہ بنیادی طور پر یہ تھا کہ چونکہ ہر ملازم اپنے فرائض کی ادائیگی کے عوض تنخواہ پاتا ہے اس لیے اسے مزید کسی جزا کی ضرورت نہیں لیکن اگر فرائض کی ادائیگی میں اُس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کی اسے سزا ضرور ملنی چاہیے۔

طبعاً اور عملاً وہ ایک آمر مطلق تھا اور خشونت اس کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ایسے میں حاج عبداللہ حائری مازندانی کے اسے بار بار اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کرنے کی نصیحت پر اصرار کی حکمت بخوبی سمجھ میں آتی ہے۔ وہ اس پر عمل درآمد کرنے میں کس حد تک کامیاب رہا؟ اس کا فیصلہ ہم مندرجہ ذیل دو مثالوں کی روشنی میں خود قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

رضا شاہ نے جب اقتدار سنبھالا تو تہران کے گرد ایک فصیل تھی اس نے وہ فصیل مسمار کرا کے شہر میں خوبصورت متوازی سڑکوں کا ایک جال بچھانے کا اہتمام کیا۔ اندرون شہر بڑے بڑے با اثر افراد کے محلات اور جدید اصطلاح میں وسیع و عریض فارم ہاؤسز تھے جو سیدھی سڑکیں بنانے کی راہ میں حائل تھے۔ جب متعلقہ نقشہ بن چکا تو رضا شاہ نے

ایک اسکواڈ تشکیل دیا جس کی ذمے داری یہ تھی کہ نقشے پر عملدرآمد کی راہ میں جو بھی رکاوٹیں پیش آئیں انہیں فی الفور دور کرے۔ جو عمارت کسی سڑک کی تعمیر میں رکاوٹ ہوتی یہ اسکواڈ اس پر ایک سرخ رنگ کا جھنڈا نصب کر دیتا اور بعد میں آنے والا تعمیراتی عملہ اس عمارت کو مسمار کر دیتا۔

جب چند ایک عمارتیں اس طرح نیست و نابود ہوئیں تو شہر کے بااثر افراد نے ایک وفد کی صورت میں بادشاہ سے ملاقات کر کے تعمیراتی عملے کی اس روش پر اپنے تحفظات کا اظہار کرنے کا فیصلہ کیا۔ رضا شاہ نے بڑے تحمل سے ان کی بات سنی اس کے بعد یہ کہہ کر انہیں رخصت کر دیا کہ اگر یہ سرخ جھنڈا شاہ کے بائیں کندھے پر لگ جائے تو اسے بھی جانا ہوگا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے متوازی او رقائم الزاویہ کوچوں اور شاہراہوں کے پیش نظر تہران پورے خطے میں اپنی مثال آپ بن گیا۔

اس واقعے کو تقریباً ایک صدی گزرنے کے باوجود آج بھی صورت حال یہ ہے کہ کوئی عمارت مسجد ہو یا قبرستان اگر کسی جادہ مستقیم کی تعمیر راہ میں حائل ہو تو اس پر ایک بینر آویزاں کر دیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ تک اسے خالی کر دیا جائے تا کہ تعمیراتی کام بلا تاخیر جاری رہے۔ دیکھا گیا ہے کہ قبرستان کی صورت میں بعض متاثرین بلا چوں و چرا اپنے عزیزوں کی ہڈیاں قبروں سے نکال کر دوسری جگہوں پر دفن کر دیتے ہیں۔ ایران میں عرصہ دراز سے یہ روایت ہے کہ آٹا بازار میں نہیں بکتا اور نہ خواتین گھر پر روٹی بناتی ہیں جگہ جگہ تنور ہیں جنہیں براہ راست سرکار سے آٹا ملتا ہے اور وہ انواع واقسام کی روٹی بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ اب ربع صدی سے زیادہ عرصے سے بعض تنوروں پر خودکار مشینیں نصب کر دی گئی ہیں تا کہ بڑھتی آبادی کو کم سے کم انتظار کے ساتھ روٹی دستیاب ہو سکے رضا شاہ نے جب

اقتدار سنبھالا تو بعض حلقوں نے حکومت پر دباؤ بڑھانے کی غرض سے نان بائیوں کی ہڑتال کرادی۔

آٹا تندوروں سے غائب ہو گیا اور مارکیٹ میں روٹی کی عدم دستیابی نے ایک گھمبیر مسئلہ کھڑا کر دیا رضا شاہ نے اعلان کیا کہ اگر فلاں تاریخ تک تنوروں پہ روٹی کی فراہمی کو ممکن نہ بنایا گیا تو حکومت کسی بھی تادیبی کاروائی سے گریز نہیں کرے گی جب اس انتباہ کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو رضا شاہ گھوڑے پر سوار بازار میں نکلا اس کے حکم سے ایک نان بائی کو زندہ تنور میں ڈالنا تھا کہ شہر کے سب تنور کھل گئے اور ہر جگہ خریداروں کی طلب سے کہیں زیادہ روٹی دستیاب ہو گئی۔

اب ہم آتے ہیں حاج شیخ عبداللہ حائری مازندرانی کے مختصر تعارف کی طرف موصوف 1284ھ میں کربلائے معلیٰ میں پیدا ہوئے ان کے والد زین العابدین حائری مازندرانی کا شمار کربلا کے ممتاز مراجع میں ہوتا تھا۔ شیخ عبداللہ نے اپنے والد اور سرزمین عراق کے چیدہ چیدہ علما کے زیر نگرانی علوم منقول و معقول کی تعلیم حاصل کی اور بیس سال کے سن میں اپنے والد کی جانب سے درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔

1305ھ میں جب سلسلہ نعمت اللہیہ کے بزرگ سلطان علی شاہ گنابادی کا مکہ معظمہ سے کربلا آنا ہوا تو شیخ عبداللہ ان کے دامن ارادت سے وابستہ ہو گئے۔

1311ھ میں مرشد نے انہیں نہ صرف اپنا خلیفہ مجاز مقرر کیا بلکہ رحمت علی شاہ کے لقب سے بھی سرفراز کیا۔ آپ نے 1356ھ میں تہران میں جان شیریں جاں آفریں کے سپرد کی اور شاہ عبدالعظیم کے مزار کے احاطے میں واقع اپنے سلسلے کے مشائخ سعادت علی شاہ اور نور علی شاہ گنابادی کے مقبرے میں پیوند خاک ہوئے۔

شیخ عبداللہ نے نہ صرف بعض دیگر فاضل معاصرین کے تعاون سے رضا شاہ کے

دور میں قانون حقوق مدنی یعنی ایرانی آئین کی تحریر وتدوین میں حصہ لیا بلکہ فارسی زبان کے بعض اہم عرفانی متون از جملہ فیہ مافیہ مولانا جلال الدین رومی رسالہ کنز الحقائق تصنیف، شیخ محمود شبستری زاد المسافرین اثر میر حسینی ہروی اور سبحۃ الابرار سرودہ مولانا عبدالرحمٰن جامی کو پہلی بار تحقیق اسلوب سے مرتب کر کے اپنے مقدمے کے ساتھ 1353ھ میں زیور طبع سے آراستہ کیا۔ استازی سید وزیر الحسن عابدی (پنجاب یونیورسٹی اور اورینٹل کالج لاہور) کے تہران یونیورسٹی میں شہرہ آفاق استاد بدیع الزمان فروزانفر اور شیخ کے صاحبزادے ہادی حائری کا شمار شیخ عبداللہ کے ارشدِ تلامذہ میں ہوتا تھا۔

قاچاری اور پہلوی دور کے معروف مترجم قرآن دانشور اور روزنامہ ایران کے مدیر زین العابدین انہی شیخ عبداللہ کے داماد تھے۔ موصوف رضا شاہ کے دور میں دو مرتبہ شہرِ رے سے ایرانی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے اور قانون سازی میں بھرپور حصہ لیا۔ لیکن بعد میں رضا شاہ اور پہلوی خاندان کے خلاف اپنی تند وتیز تحریروں کے باعث مغضوب ٹھہرے نتیجتاً ان کے تمام مال و اسباب بحق سرکار ضبط ہو گیا اور سزائے موت سنا کر انہیں زندان قصر منتقل کر دیا گیا۔

بعض روایات کے مطابق شیخ عبداللہ کی مداخلت سے بعد میں موصوف کی سزائے موت کو جلاوطنی میں تبدیل کر کے رضا شاہ نے 1937ء میں انہیں ملک بدر کر دیا۔ چنانچہ رضا شاہ کا باقی دور اقتدار زین العابدین رہنما نے جلاوطنی کے عالم میں لبنان اور عراق میں رہ کر گزارا اور 1941ء میں رضا شاہ کی معزولی پر واپس ایران آئے۔ بقول صائب

از بخت سیہ نیست گریز اہل قلم را
بے چاک ندیدہ است گریبان قلم را

سُچی بوٹی

(ڈاکٹر پرویز آفتاب)

غالباً 1982ء کا سال تھا کہ پاکستان کے ایک انگریزی اخبار میں ایک خط چھپا خط کا مفہوم یہ تھا کہ ایک نوجوان بچی جو کہ خون کے سرطان میں مبتلا ہے اور بغرض علاج تقریباً تمام مانے ہوئے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کو دکھایا گیا تا ہم طویل علاج معالجے کے بعد ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کیس لاعلاج قرار دے دیا۔ بچی کے لواحقین اسے واپس گھر لے آئے جہاں وہ موت وزیست کے درمیان لٹکی ہوئی زندگی کے بقیہ دن پورے کرنے پر مجبور ہوگئی۔ شاید اللہ نے کسی نیک ہستی کی دعائیں سن لیں ایک دن ایک دُور کے عزیز بچی کی عیادت کے لیے آئے اس کی اذیت ناک حالت دیکھتے ہوئے کہنے لگے کہ اس علاقے میں ایک بوٹی ہوتی ہے جسے عرف عام میں سُچی بوٹی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے آپ اس بوٹی کو صبح وشام پانی میں گھول کر مریضہ کو پلائیں انشاءاللہ شفا ہوگی۔ چنانچہ اہل خانہ نے اس پر فوری عمل کیا اور وہ روزانہ مذکورہ بوٹی کی چار پانچ پتیاں پانی میں گھوٹتے اور بچی کو پلا دیتے تقریباً 15 دن کے بعد خون کا ٹیسٹ کیا گیا LAB رپورٹ کے مطابق اب خون کے سرخ ذرات RBC-4 میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا تھا۔ مریضہ کی جسمانی حالت بھی پہلے سے بہتر لگ رہی تھی چنانچہ گھر والے کئی روز تک مریضہ کو یہ نسخہ دیتے رہے اور آخر کار اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت سے بچی شفایاب ہوگئی۔

آیئے اب اس بوٹی کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ کون سی کرشماتی

بوٹی ہے جو مریض کو موت کے خونخوار پنجوں سے نکال کر لے آتی ہے۔آپ سب بین الاقوامی شہرت کے حامل پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر کے نام سے تو ضرور واقف ہونگے اپنے خصوصی شعبے ایٹمی فزکس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب ایلوپیتھی،حکمت اور ہومیوپیتھی میں بھی خاص دلچسپی لیتے تھے اور ان تمام طریقہ ہائے علاج پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

اسی حوالے سے انہوں نے جون 2012 میں جنگ گروپ کے انگریزی اخبار ''دی نیوز'' میں موجودہ دور کی خطرناک بیماری Thelesimia کے بارے میں ایک کالم لکھا اور اس لا علاج بیماری کے خلاف ایک کامیاب علاج کی نوید بھی سنائی ۔ڈاکٹر صاحب اپنے کالم میں لکھتے ہیں کہ ان کے عزیز دوستوں میں سے ایک ڈاکٹر عبدالرشید سیال ہیں جو کہ ایلوپیتھک ڈاکٹر ہیں اور کارڈیالوجی میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں ۔مذکورہ ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر عبدالقدیر کو مطلع کیا کہ جُڑی بوٹی میں میری انتہائی درجے کی دلچسپی ہے میں نے یہ دوا اپنے کئی مریضوں کو دی اور اس کے حیران کن نتائج سامنے آئے 1988 میں میرے ایک سٹاف ممبر کی بہن کو Thelesimia کا مرض لاحق ہوگیا اس کی حالت خاصی تشویشناک تھی میں نے اسکو یہ جڑی بوٹی دینا شروع کر دی اور خدا کی قدرت سے چند ہفتوں میں اس کی صحت بحال ہوگئی آغا خان ہسپتال کراچی میں کیے گئے ٹیسٹ سے تصدیق ہوگئی کہ اب وہ خون کے سرطان کے موذی مرض سے نجات حاصل کر چکی ہے چنانچہ میں نے Thelesimia کے تمام مریضوں کو یہ دوا دینا شروع کر دی جس کے نہایت امید افزاء نتائج ظاہر ہوئے یعنی مریضوں کو خون دینے کے وقفے میں اضافہ ہوگیا۔ڈاکٹر رشید سیال نے اس جڑی بوٹی کا نام Fegonia Criticia بتایا ہے ان کے کہنے کے مطابق پورا پودا استعمال میں لایا جاسکتا ہے خاص طور پر مارچ اور اپریل میں حاصل کیے ہوئے پودے بہت پر

اثر ہوتے ہیں۔ مشاہدے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ غالباً اس دوا کا اثر جسم کے Stem Cells خام خلیات پر ہوتا ہے ہومیو پیتھک لٹریچر میں اس بوٹی کا ذکر بہت کم ہوا ہے۔ پاکستان کے مشہور و معروف ہومیو پیتھک ڈاکٹر مسعود قریشی نے جہاں ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے بارے میں بہت سی لافانی کتب تخلیق کیں ان میں سے تحقیق الادویہ کے نام سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا ڈاکٹر مسعود کی زندگی میں اس کتاب میں تُچی بوٹی کا کوئی ذکر نہیں ملتا بعد میں 2007 میں اس کتاب میں جدید تحقیقات کی روشنی میں نئی ادویات کا ذکر بھی شامل کیا گیا چنانچہ اس کتاب میں جو معلومات درج ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

اس بوٹی کو پنجاب میں تُچی بوٹی سرحد میں ادھ مور، ہندی میں دھماسہ اور سائنسی زبان میں Fegonia Arabica یا Fegonial Cretica کہا جاتا ہے یہ افغانستان ، ایران، عرب، پاکستان اور انڈیا کے میدانی علاقوں میں دریاؤں کے کنارے پیدا ہوتی ہے یہ ایک عام خودرو جھاڑی نما پودا ہے جس کی شاخیں لمبی اور پتے چھوٹے ہوتے ہیں شاخوں پر کانٹے ہوتے ہیں اور ان پر پھل لگتا ہے اس کے پھول سرخی مائل کاسنی رنگ کے ہوتے ہیں۔

طبی کتابوں میں اس پودے کے اثرات Antiseptic کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے یہ دوا لمفاتی نظام (Lymphatic System) پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے اور لفافی غدود کی سوزش اور بریسٹ ٹیومر (Adenowa) کے علاج میں بہتر نتائج کی حامل پائی گئی ہے۔ تچی بوٹی یا دھماسہ کے سبز یا خشک پودے کو پانی میں کھرل کر کے اس کا رس دو ہفتے تک کینسر کے مریض کو پلانے سے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوتے ہیں ہومیو پیتھی میں بھی یہ دوا Fegonia Cretia کے نام سے دستیاب ہے۔

اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ خون کے سرطان کے مریضوں کے لیے اس دوا کے استعمال کے دوران Haemoglobin Level کم از کم 10mg برقرار رکھنا ضروری ہے ورنہ یہ دوا انتڑیوں میں پوری طرح جذب نہیں ہوتی اور معدے کی تکلیف کا باعث ہوسکتی ہے علاج کے شروع میں یہ لیول برقرار رکھنے کے لئے بار بار خون لگوانا پڑے گا تاہم چند ہفتوں کے استعمال سے اس دوا کے مفید اثرات نظر آنا شروع ہو جائیں گے مریض کی طبی حالت میں خاطر خواہ تبدیلی آئے گی اور خون لگوانے کی ضرورت بتدریج کم ہونا شروع ہو جائے گی ۔چند قابل ذکر Cases میں دھماسہ بوٹی پیشاپ میں پروٹین روکنے میں بھی مفید ثابت ہوئی ہے اس ضمن میں ایک اطلاع گجرات کے ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر سلیم صاحب نے فراہم کی ہے جو کہ اس طرح ہے۔

ایک بچہ جو چار سال کی عمر میں گردوں کی جان لیوا بیماری Nephritic Syndrome میں مبتلا ہوا اس کی عمر اب دس سال ہوگئی ہے اور شروع سے اسے Pelta Cortile جیسے steriod کے علاج پر رکھا گیا چنانچہ ایک سال پہلے ہومیو پیتھک علاج بھی شروع کیا گیا اور دوران علاج منتخب ادویات کے ساتھ دھماسہ 6X طاقت میں دی گئی اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوئے اور پیشاپ میں پروٹین آنا بند ہوگئی نتیجتاً بچے کا Pelta Cortile پر انحصار بھی کم ہوگیا بچہ اب روبہ صحت اور نارمل زندگی گزار رہا ہے۔

یہ کون ہے؟

(سلطان جمیل نسیم)

وہ زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر
موت بھی دبے پاؤں تعاقب میں رہی

یہ اچانک ہوا کہ کم از کم دن میں دو مرتبہ خلیل کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے چلتے چلتے ۔۔۔یا دفتر میں بیٹھے بیٹھے کوئی اُس کے پیچھے آ رہا ہے یا اُس کے پیچھے کھڑا ہے ۔۔۔کوئی سایہ ہے جو عقب میں موجود ہے ۔۔۔وہ مڑ کے دیکھتا ۔۔۔خود پہ جھنجلاتا ۔۔۔لمحہ بھر کے لیے خائف بھی ہوتا ۔۔۔مگر پھر اپنے کام میں لگ جاتا۔

ایک رات تو حد ہوگئی ۔۔۔ایسی خلوت میں تو صرف اپنی ہی سانسوں کی گونج گوارا ہوتی ہے ۔۔۔اُس نے کسی تیسرے کی سانسوں کو محسوس کیا ۔۔۔یہ صرف اُس نے ہی نہیں ۔۔۔بیوی نے سوال کیا ۔۔۔کیا ہوا؟ خلیل نے اپنی حیرت اور خوف کو چھپاتے ہوئے الٹا سوال کیا: "کیوں تم نے یہ کیوں پوچھا؟" "آپ نے اس طرح کبھی سانس نہیں لی۔" خلیل نے اُس وقت تو بات ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ بڑھتی عمر کے ساتھ رگوں کی طرح سانس بھی موٹی ہوتی جا رہی ہے، اِسی طرح ایک دن گلے میں اٹک کر رہ جائے گی۔ اُس روز تو بات آئی گئی ہوگئی لیکن اُس کے بعد ۔۔۔وہ بھی ایک رات ہی کی بات ہے۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا اور سونے سے پہلے اپنے انکم ٹیکس کے وکیل سے بھی بات کی تھی ۔۔۔پھر سرہانے کی دراز سے ایک فائل نکال کر سرسری نظر سے دیکھا ۔۔۔پھر بیوی سے اپنے بیٹے کی باتیں کرتے کرتے

بالکل مطمئن نیند سویا تھا کہ آدھی رات کے لگ بھگ آنکھ کھل گئی ۔محسوس یہ ہوا جیسے خورشید آپا نے اُسے جگایا ہے۔

ہاتھ بڑھا کے ٹیبل لیمپ روشن کیا۔کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی ۔۔۔دروازے اندر سے بند تھے۔۔۔بیوی حسبِ معمول قریب لیٹی ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی۔ایئر کنڈیشنر کی دھیمی آواز خنکی کے ساتھ کمرے میں پھیلی ہوئی تھی ۔یہ خورشید آپا کا دھیان آج کیسے آ گیا؟

دو مہینے گزرتے ہیں کینیڈا سے اُن کے انتقال کی خبر آچکی تھی ۔وہ یہاں کہاں۔۔۔یہ سارے دا ہے ہیں خورشید آپا اپنے شوہر اور بچوں بلکہ بچوں کے بچوں میں اتنی مگن تھیں کہ یہاں کی ہر بات بھول بیٹھی تھیں ۔سال بھر پہلے جب کاروباری سلسلے میں باہر گیا تھا، تو اُن سے ملنے کینیڈا بھی چلا گیا۔اُس وقت بھی انھوں نے کوئی بات نہیں نکالی تھی ۔آج مرنے کے دو مہینے بعد وہ مجھے جگانے کیسے آسکتی ہیں؟

اُس نے ٹیبل لیمپ بجھائے بغیر اتنی دیر کروٹیں بدلیں کہ خراٹوں بھری نیند کو الوداع کہہ کر بیوی نے خواب میں ڈوبے لہجے میں پوچھا:''آج پھر نیند نہیں آ رہی؟''خلیل نے اُس کے بازو تھپکتے ہوئے پیار بھرے انداز میں کہا۔۔۔میں ذرا دفتری حساب کتاب کے بارے میں سوچ رہا تھا سو جاؤ۔بیوی نے کروٹ لی ۔اُس نے بھی سونے کے ارادے سے آنکھیں موندلیں۔۔۔مگر نیند اختیار میں تھی نہ خیال، وہ سوچتا رہا۔

پندرہ بیس سال پہلے خورشید آپا کینیڈا گئی تھیں ۔اُن کے جانے کے دو تین برس بعد اُسے اپنی کاروباری ضروریات کے مدنظر مکان گروی رکھ کر بینک سے قرض لینے کی بات کرنا پڑی تھی ۔خورشید آپا بھی مکان میں حصے دار تھیں ۔مجبوراً تمام تفصیلات لکھ کر اُن سے مختارنامہ

بھیجنے کی درخواست کی ۔مختار نامہ تو آ گیا لیکن قرض لینے کی نوبت نہیں آئی ۔ حالات بہتر ہوتے چلے گئے۔

جب ڈیفنس میں نئے مکان کی تعمیر شروع کی،تو پرانے مکان کی ضرورت باقی نہ رہی اس عرصے میں خورشید آپا دو مرتبہ یہاں آئیں ،وہ بھی ایک دفعہ جا کے اُن سے مل آیا تھا مگر اُنھوں نے مختار نامے کی بات چھیڑی نہ مکان میں اپنے حصے کا ذکر کیا۔حالانکہ وہ بخوبی واقف تھیں کہ جس مکان میں اُن کا حصہ تھا،وہ فروخت ہو چکا۔

اتنا سوچتے ہوئے اُس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اب کاروبار کی حالت اتنی اچھی ہے کہ انکم ٹیکس والوں سے دولت چھپانے کے لئے نئے نئے طریقے ڈھونڈنے پڑتے ہیں کیوں نہ خورشید آپا کی رقم نکال کر اُن کے لواحقین کے حوالے کر دی جائے ۔سنا ہے اُن کے بڑے بیٹے کا ہاتھ بہت تنگ ہے ۔کسی پیزا کی دکان پر نوکر ہو گیا ہے اور اگر اُسے وہاں ضرورت نہیں،تو یہیں اپنے کاروبار میں حصے دار بنا لیا جائے ۔جس طرح میں اپنے بیٹے کو امریکا خرچ بھیجتا ہوں ،اِسی طرح خورشید آپا کے لڑکے کو بھی ۔۔۔یہ خیال آتے ہی جماہیاں آنے لگیں ۔بیوی کی طرف ذرا ترچھی نظروں سے دیکھا،کروٹ لی اور سو گیا۔

ایک دن فیکٹری جاتے وقت گاڑی کا دروازہ کھولتے ہی یہ گمان گزرا کہ اندر پہلے ہی کوئی بیٹھا ہے ۔گھبرا کے فوراً دروازہ بند کر دیا ۔بریف کیس اٹھائے ہوئے ملازم کی طرف پہلی نظر جو اُٹھی ،اُس میں خوف تھا۔پھر خوف خجالت میں اور خجالت ناراضگی میں بدل لی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ گاڑی کی اچھی طرح صفائی کر دیا کر ۔مگر ایک مرتبہ کا کہنا تو اثر ہی نہیں کرتا تم لوگوں پر۔اب کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھ رہا ہے ۔بریف کیس وہاں رکھ اور کپڑا لیکر اچھی طرح صفائی کر۔"

ملازم نے کھلے گیراج میں پڑی کرسی پر بریف کیس رکھا اور پھر صفائی کرنے لگا پہلے سے ہی صاف کی ہوئی گاڑی پر مٹی کے جو ذرے آن لگے تھے، چند لمحوں میں وہ بھی صاف ہو گئے۔خلیل جو گیراج میں پڑی کرسی پر ایک پاؤں ٹکائے یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا، وہیں سے کھڑے کھڑے بولا: ''اندر سے کیا میں خود آ کے صاف کروں؟''

ملازم نے ایک کے بعد چاروں دروازے کھول کر سیٹیں، شیشے اور فرش صاف کر دیا۔ اُسی وقت خلیل کو ایسا لگا کہ جس کرسی پر وہ پاؤں رکھے کھڑا تھا، اسے کسی نے کھسکانے کی کوشش کی ہے۔وہ سنبھل گیا۔اگر لمحہ بھر غفلت کی ہوتی، تو شاید گر پڑتا۔

گاڑی چلا کر فیکٹری پہنچنے تک سارا راستہ اطمینان سے کٹ گیا۔گزری ہوئی باتوں کو پھر پہلے روز کی طرح محض اتفاق۔۔۔واہمہ۔۔۔نیند کی گولیوں کا اثر قرار دیا اور اپنی لاپروائی۔۔۔کم خوابی کے اثرات سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔مگر فیکٹری پہنچنے کے بعد اپنے دفتر کی طرف جاتے ہوئے پھر محسوس ہوا کہ کوئی پیچھے آ رہا ہے۔

شاید کوئی ورکر ہوگا یا دفتر کا کوئی شخص۔ممکن ہے انتظار میں بیٹھا ہوا کوئی بیوپاری ہو۔گھوم کر دیکھا۔۔۔کوئی نہیں تھا۔تب ایک دم خلیل کو پسینہ آ گیا۔سر چکرانے لگا۔اگر وہ دروازہ تھام نہ لیتا، تو۔۔۔اپنے اِسی واہمے کا کسی سے بھی کوئی ذکر کیے بغیر اُس روز خلیل نے سوچا کہ کسی ماہرِ نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے۔ایک بار خیال یا خواب سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے، دوسری مرتبہ وہم قرار دیا جا سکتا ہے۔۔۔لیکن بار بار۔۔۔جانا ہی چاہیے کسی نفسیات کے ڈاکٹر کے پاس۔لیکن شام تک ایک کے بعد دوسرا کام اِس طرح نکلتا رہا کہ مصروفیت میں سب کچھ بھول گیا۔

دوسرے دن سویرے جب وہ نہانے کے لیے گیا اور شاور کے نیچے کھڑا ہوا، تب

اُسے محسوس ہوا کوئی ہے۔ پلٹ کے دیکھا۔۔۔چہرہ تو دکھائی نہیں دیا لیکن ایسا لگا جیسے کوئی سفید کپڑوں میں لپٹا ہوا بالکل برابر میں کھڑا ہے۔ بے ساختہ چیخ نکل گئی۔اُس نے تولیہ لپیٹا، ایک ہاتھ سے نل بند کرنا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھولنا چاہا۔اب وہ ہیولا تو دکھائی نہیں دیا مگر ایسا محسوس کیا جیسے کسی نے اُس کے ہاتھ دروازے کے ہینڈل سے جھٹک دیا ہے۔

بیوی نے غسل خانے میں کھڑ بڑ سنی تو دروازے کے قریب آ کے پوچھا ''کیا بات ہے، کچھ چاہیے۔۔۔دروازہ بجایا تھا تم نے؟'' جب کوئی جواب نہیں ملا، تو دروازہ کھول کر وہ اندر پہنچ گئی۔ بہ مشکل خلیل کو اٹھا کے بستر تک پہنچایا۔

ایک دن میں کیا ہو گیا۔ گھر سے اسپتال جا پہنچا۔چار دن اسپتال میں داخل کر کے پورا معائنہ کیا گیا۔بیوی کبھی زور سے اور کبھی آہستہ آہستہ بڑبڑاتی رہی۔'' آخر کس کے لیے اتنی محنت کرتے ہو؟۔۔۔اکیلا بیٹا۔۔۔وہ بھی چار برس سے امریکا میں پڑھائی کے بہانے مزے کر رہا ہے۔ جب فون کرو کہ آجا بیٹا، باپ کام کر کر کے ہلکان ہوا جا رہا ہے۔ہر دفعہ ایک ہی جواب، سال بھر کے بعد آجاؤں گا۔باپ کی خون پسینے کی کمائی ٹھکانے لگا رہا ہے اور تم بھی چپکے چپکے پیسے بھیجے جاتے ہو۔۔اور۔''

نجی اسپتال سے ہزاروں روپے کا بل دینے کے بعد رہائی ملی۔ جب تک وہ اسپتال میں رہا، اُس خیالی سائے کا دھیان بھی نہیں آیا۔

البتہ اسپتال کا بل دینے کے بعد اُس نے یہ ضرور سوچا کہ بیٹا بھی اگر ڈاکٹر بن جاتا ،تو ایک اسپتال کھول کر بہت کمایا جا سکتا تھا۔ آج کل ملک میں دو ہی دھندے خاصے چل رہے ہیں: ایک اسپتال دوسرے اسکول۔۔۔اب یہی دیکھو، اسپتال میں پہلے دن ہزاروں سوال کیے۔سارا شجرہ پوچھ لیا، نفسیات داں ہی تو تھے،کوئی جادوگر تھوڑی کہ بیوی کے سامنے

اپنا سارا کچا چٹھا کھول کے بیان کر دیتا ۔ یہاں چار دن رکھا، وقت بے وقت سوتے سے جگا کر فشارِ خون چیک کیا یا جسم کا درجہ حرارت دیکھا، ذیابیطس چیک کی ۔ رات کو نیند کی گولیاں لینے کی ہدایت کے ساتھ رخصت کر دیا مگر ہزاروں روپے کا بل وصول کر لیا ۔

اسپتال سے نکلتے ہوئے حالانکہ بیوی ساتھ تھی، ایک لمحے کے لیے یہ گمان گزرا کہ کوئی پیچھے آ رہا ہے ۔ مگر اُس نے مڑ کے نہیں دیکھا ۔ بیوی کے ساتھ ہونے کے سبب ڈھارس بندھی ہوئی تھی ۔

خلیل نے بیوی کے اصرار اور دوستوں کے مشورے پر ایک ڈرائیور رکھ لیا ۔ حالانکہ اُس کا استدلال یہ تھا کہ فیکٹری کا مال لانے لے جانے کے لیے دو ڈرائیور موجود ہیں، اُن میں سے ہی ایک کو ۔۔۔ مگر ایک ڈرائیور رکھتے ہی بنی ۔ دو چار دن ٹھیک ٹھاک گزرے ۔ وقت اور جگہ کی قید سے بے نیاز پھر پہلے جیسا معاملہ ہو گیا، محسوس ہوتا رہا کوئی پیچھے پیچھے آ رہا ہے ۔

انکم ٹیکس کے دن قریب آ رہے تھے ۔ اس لیے وہ اکاؤنٹنٹ کے ساتھ بیٹھ کر دیر تک حساب کتاب بنواتا رہتا اور اکثر گھر پہنچنے میں دیر ہو جاتی ۔ ایک دن سب کے جانے کے بعد بھی وہ بنائے ہوئے گوشوارے دیکھنے میں محو تھا کہ اُس نے محسوس کیا جیسے کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھا ۔ چونک کر سر گھمایا ۔۔۔ پیچھے دیوار تھی ۔۔۔ دائیں بائیں بھی کوئی نہیں تھا ۔ اسی دیکھنے کے دوران ایک آواز سنی جیسے کسی نے گہری سانس لی ہو یا کوئی ہلکے سے کراہا ہو ۔

بے اختیار وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا ۔ یکا یک یاد آیا کہ کندھے پر ہاتھ رکھنے کا انداز بالکل شیخ یوسف جیسا تھا ۔۔۔ مگر یہ بات تو بڑی پرانی ہے جب اُن کے ساتھ شراکت داری تھی اور اُس زمانے میں یہ جگہ بھی نہیں تھی ۔ یہ جگہ ہو بھی کیسے سکتی تھی ۔ کتنے زمانے کی بات اب یاد آئی ہے ۔۔۔ مگر میرے بیٹھنے کی کرسی

ایسے تھی کہ شیخ یوسف آن کر اسی طرح کندھے پر ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے۔ان یادوں نے بے کلی مزید بڑھا دی۔

مگر اس وقت یکا یک اُن کا خیال کیوں آ گیا؟ ہاں کندھے پر ہاتھ کا دباؤ اُن ہی جیسا تھا۔اُن کے ساتھ مل کر ہی تو یہ کاروبار کیا تھا۔اگر مجھے ملازمت سے نکالا نہ جاتا ،تو اب تک ۔۔۔خیر اُسی زمانے میں وہ بھی ملازمت سے ریٹائر ہوئے تھے اور مجھے موسیٰ بھائی کشتی والے نے اس کام کی صلاح دی تھی ۔جگہ چھوٹی تھی ، مشینیں پرانی تھیں ۔میرے ہاتھ میں جو پیسا تھا، وہ بھی کم تھا کہ مجھے شیخ یوسف کا خیال آیا۔ابھی ملازمت سے سبکدوش ہوئے ہیں، اچھی رقم ہاتھ میں ہے۔بات کی تو راضی ہو گئے۔

زندگی دفتری قانون کے مطابق گزری تھی ۔شراکت نامہ وکیل سے بنوایا ۔جب پورا اطمینان ہو گیا،تب چیک کاٹا۔مگر تھے بڑے عجلت پسند۔۔۔زندگی بھر ملازمت کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا۔پہلی تاریخ کو تنخواہ لینے کی عادت تھی، اس لیے جو رقم لگائی تھی ، اُس سے گھر کے خرچ کے لیے ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو پیسے مانگ لیتے تھے۔پہلے سال نفع ہوا، وہ دیکھ کر کتنے خوش ہوئے ، پر لاکھ سمجھانے بجھانے کے باوجود اپنے حصے کا منافع نکلوا لیا۔کاروبار کے کچھ اصول ہوتے ہیں ۔سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو کاٹ کر سارے انڈے نکال لینے والے لالچی ہوتے ہیں، کاروباری نہیں۔

میری بات سمجھ میں نہیں آئی ۔اُس سے اگلے برس گھاٹا ہونا ہی تھا۔بیٹھ گئے میرے سامنے آ کر اور اپنا حصہ مانگ کر الگ ہونے کی رَٹ لگائی شروع کر دی۔پرانے تعلقات تھے مگر انھوں نے تو آنکھ پر ٹھیکری رکھ لی ۔ برسوں کے میل جول کا ذرا خیال نہیں کیا مگر میری آنکھوں میں تو مروت باقی تھی ۔پائی پائی کا حساب کر دیا مگر وہ مطمئن نہیں تھے ۔

یہی کہتے رہے خلیل خاں! تمہاری نیت کا فتور تو میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ چند ٹکوں کے لیے اپنا ایمان بھی خراب کرلو گے۔

بہت سمجھایا کہ یوسف بھائی سارا حساب کتاب سامنے ہے، جس سے چاہیں چیک کروالیں ۔اُن کے اچانک علیحدہ ہو جانے سے کاروبار میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو لازمی تھی ، پھر بھی اُن کی ہزار الزام تراشیوں کے باوجود۔۔۔میری انتھک محنت کی بدولت چار پیسوں کی ضرورت نظر آئی، تو اگلی پچھلی سب کچھ بھول بھلا کر پہلا کام یہی کیا۔ یوسف بھائی کے پاس گیا کہ گزری باتوں پر خاک ڈال کر وہ اگر چاہیں ،تو پھر کاروبار میں شراکت کر سکتے ہیں ۔ پر تھوڑی دیر ہوگئی ۔شیخ یوسف اُن دنوں مرض الموت میں مبتلا تھے۔انھوں نے دیکھ کر منہ پھیرلیا۔ حد ہے اُن کی اولاد تک نے سیدھے منہ بات نہ کی۔ یہ حال دیکھ کر الٹے قدموں لوٹ آیا۔

وقت کا پہیا بھی کچھ سیدھا گھومنے لگا تھا ۔معاملات بہتر ہوتے ہی چلے گئے جیسے تقدیر ہی نئے سرے سے لکھ دی گئی ہو۔ کاروبار میں کچھ ایسی برکت ہوئی کہ مٹی میں ہاتھ ڈالتا، تو وہ سونا بن جاتی ۔ادھر اکلوتے بیٹے نے بھی کالج کی تعلیم مکمل کرلی اور ایک فرمائش کرکے اُسے آزمائش میں ڈال دیا کہ آگے پڑھنے کے لیے وہ باہر جانا چاہتا ہے۔

ہر چند بیوی نے مخالفت کی ۔۔۔رونا پیٹنا شروع کردیا۔ بیٹے کو آنکھوں سے اوجھل کرنا تو وہ بھی نہیں چاہتا تھا مگر اُس کی فرمائش ٹالنے کو دل نہیں مانا ۔خلیل نے کبھی دل کا کہا مانا نہیں تھا، ہمیشہ دل کو دماغ کے تابع رکھا۔ پہلی بار دل کی بات رکھ لی ۔

اتنی باتیں یاد آنے کے بعد اُس نے گھر جانے کے لیے سوچا ۔میز پر کھلی فائل بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ،تو پھر شیخ یوسف کے ہاتھ کا سا دباؤ کندھے پر محسوس ہوا ۔ خلیل نے گھبرا کے چپڑاسی کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی ،تو دباؤ کندھے سے ہاتھ میں اتر آیا

اور ہاتھ سے نکل کر سینے کی طرف پھیلنے لگا۔

چپڑاسی اندر آیا، خلیل نے پہلے تو ایک بے بسی کی نگاہ ڈالی، پھر نقاہت بھرے لہجے میں منہ سے ایک ہی لفظ نکل سکا۔۔۔پانی۔ چپڑاسی نے حالت دیکھی، تو سامنے رکھی منرل واٹر کی بوتل سے گلاس بھر کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ پورے گلاس کا پانی ایک سانس میں ختم کرنے کے بعد جیسے جان میں جان آئی۔ کرسی پر نیم دراز سا ہو گیا۔ ایسی ہی چند ساعتیں ہیں جن میں برسوں کی یادیں ایک خیال بن کر سمٹ آتی ہیں۔

اب جو خیال آیا، وہ یہ تھا کہ پرانے کاغذات نکال کر پچھلا حساب دوبارہ دیکھا اور اگر شیخ یوسف کی کچھ رقم نکلتی ہو جو شاید تھوڑی بہت نکل ہی آئے، تو وہ اُن کے ورثا تک پہنچا دے اِس خیال کی دستک سننے کے بعد اُس نے دیکھا چپڑاسی ابھی تک موجود ہے اور شاید حیرت سے اُسے دیکھ رہا ہے۔ خلیل نے ہینگر پہ لٹکا ہوا کوٹ اٹھایا اور کچھ کہے بغیر دفتر سے باہر آ گیا۔

ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اِس فکری انتشار سے چھٹکارا پانے کے لیے اُس نے بھاری فیس دے کر ایک کلب کی ممبر شپ حاصل کر لی جہاں مختلف الخیال لوگوں سے باتیں کرنے اور اُن کی سننے میں گھنٹے دو گھنٹے کا وقت آسانی سے گزر جاتا۔ رات میں سکون آور دوا کی ایک گولی کھا کر سوتا۔ اِس کے باوجود خیال کا سایہ دن میں ایک دو مرتبہ راستہ کاٹ ہی جاتا ۔۔۔بلکہ اب خلیل اکیلا رہتے ہوئے گھبرانے بھی لگا تھا۔ اب کوئی اس کے پیچھے نہیں آتا تھا نہ وہ اپنے کندھے پر کسی کا دباؤ محسوس کرتا ۔۔۔بس کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے کسی نے اس کی گردن دبوچ لی ہے اور آواز نکالنی مشکل ہو گئی ہے یا کسی نے سینے پر گھونسا مار دیا ہے اور درد خون کے ساتھ رگوں میں گردش کرنے لگا ہے۔ آج یہ کیفیت شدت سے محسوس کی، تو اس نے ڈاکٹر کو فون کیا۔ ڈاکٹر سے اپنی حالت بیان کرتے ہوئے یکا یک اس نے گردن پر

شدید قسم کی گرفت محسوس کی ۔۔۔اوراس سے پہلے کہ بات پوری ہو ۔۔۔ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

فیکٹری تو تین دن بند رہنے کے بعد ہی کھل گئی ۔دفتر البتہ دس روز کے بعد کھلا۔ خلیل کا بیٹا امریکا سے آ گیا تھا۔دفتر کے مینیجر چند فائلوں کے ساتھ آکر اُسے کام کی نوعیت سمجھاتے رہے۔باپ کے دفتر میں بیٹے کا پہلا دن تھا۔جذبات کا غلبہ بھی تھا،خودمختار ہونے کا احساس بھی۔مینیجر کوتو یہ کہہ کرٹال دیا کہ آپ یہاں ہیں جب ضرورت ہوگی،آپ ہی سے مدد لوں گا۔

بیٹھے بیٹھے سامنے پڑے ہوئے کاغذوں پرنظر ڈالی ۔۔۔ایک کاغذ بالکل کورا دکھائی دیا۔۔۔اٹھایا،تو کونے میں دو چار نام لکھےنظر آئے ۔ پہلا نام خورشید آپا۔۔۔ دوسرا شیخ یوسف ۔۔۔پھر چند نام اور۔۔۔وہ سوچنے لگا، ڈیڈی نے یہ نام کیوں لکھے؟ کاش وہ نام لکھنے کی وجہ بھی تحریر کر جاتے۔معلوم نہیں ان لوگوں سے کتنی رقم وصول کرنی ہے۔ خیراب آ گیا ہوں، رفتہ رفتہ سب معلوم ہو ہی جائے گا۔دفعتہً اُسے محسوس ہوا جیسے ڈیڈی نے اُس کا نام لے کرپکارا ہے۔وہ چونک سا اٹھا۔پھرہنس دیا۔۔۔ڈیڈی اب کہاں؟ دفتر میں ایک بار اور چاروں طرف دیکھا پھر ہاتھ میں تھامے ہوئے قلم سے۔۔۔اُس سادہ کاغذ پر جہاں کئی نام لکھے تھے،اُس نے بالکل بے دھیانی میں اُن ناموں کے نیچے ایک نام لکھ دیا۔۔۔اپنے باپ کا نام۔

مجالسِ سید مودودیؒ

(ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

نیکی اور بدی میں تمیز کی صلاحیت عطا کر دینے والی سبق آموز باتیں

ہندو ذہنیت اور پنڈت مالویہ:

ایک بار ہندوستان کی سیاست کا ذکر ہو رہا تھا۔مولانا نے فرمایا: ''ہندوستان کی ساری خرابیوں کی جڑ ہندوؤں کی قومی تنگ نظری ہے۔اس چیز نے آج تک بر ِعظیم کے معاملات کو بگاڑا ہےاور آئندہ بھی بگاڑتی رہے گی۔جو شخص اس قوم کی ذہنیت کو سمجھنا چاہے، اُسے منودھرم شاستر پڑھنی چاہیے۔''

پھر اس سلسلے میں ایک واقعہ سنایا:

''پنڈت مالویہ ہندوؤں کے مشہور سیاسی لیڈر اور مذہباً سناتن دھرمی تھے۔اُن کے دھرم میں بحری سفر کلیتاً ممنوع تھا۔پنڈت مالویہ، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کے لیے جب برطانیہ گئے،تو واپسی پر پنڈتوں نے اُن سے کہا ''آپ کا دھرم بھرشٹ ہو گیا ہے (مذہب ناپاک ہو گیا) کیونکہ آپ نے سمندری سفر اختیار کیا ہے۔اب دوبارہ دَھرم میں داخل ہونے کے لیےضروری ہے کہ آپ اپنی اِس حرکت کا 'کفارہ' ادا کریں۔اِس غرض کے لیے متعدد کفارے تجویز کیے گئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ وہ بنارس میں واقع ایک تالاب کو گائے کی دُم پکڑ کر عبور کریں۔مالویہ صاحب نے ایسا ہی کیا یعنی گائے کی دُم پکڑی اور تالاب کو پار کیا۔تب اُنھیں دوبارہ دَھرم میں داخل کیا گیا۔''

قیامِ پاکستان کے مقاصد:

گفتگو ہو رہی تھی کہ قیامِ پاکستان کے مقاصد اب تک پورے نہیں ہو سکے، تو ایک صاحب نے سوال کیا "اِس میں کس کا قصور ہے، قوم کا یا لیڈروں کا؟"

مولانا نے جواب دیا: "دونوں کا۔۔۔لیڈروں نے قوم کو بار بار اُلو بنایا لیکن قوم نے بھی ابھی تک کوئی سبق نہیں لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کا طویل عرصہ کچھ معنی رکھتا ہے۔ اِس مدت میں ہم قوم کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے، لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ ۱۸۶۵ء میں جاپان کی حالت نہایت ابتر تھی لیکن جاپانیوں نے اپنی محنت سے چند برسوں میں اپنے ملک کی کایا پلٹ دی، حتیٰ کہ ۱۹۰۴ء میں روس کو شکست دے دی۔ حالانکہ جاپان ایک چھوٹا اور قلیل الوسائل ملک ہے۔"

ملکی ترقی اور بیرونی قرضے:

بیرونی ممالک سے لیے جانے والے قرضوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک صاحب کا خیال تھا کہ بیرونی قرضے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں اور ملک کی فلاح و بہبود کے لیے قرضے لینا ناگزیر ہے۔ اِس کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے۔

مولانا نے جواب دیا: "قرضوں کی جو مقدار ہم لے رہے ہیں اور اُن سے جو ترقیاتی کام ہو رہے ہیں، اِس سے بہت کم قرضے لے کر بھی اِس سے زیادہ ترقیاتی منصوبے تکمیل کو پہنچائے جا سکتے ہیں اِس وقت حال یہ ہے کہ بھاری قرضے لے کر بے تحاشا اللّے تللّے کیے جا رہے ہیں۔ قرضے کی رقم کا ایک بڑا حصّہ غلط اور غیر پیداواری کاموں پر صرف ہو رہا ہے۔ اِس پر مزید وہ نقصانات ہیں جو کارپردازوں کی خیانت اور غبن سے اور زیادہ بھاری تنخواہوں سے ہمیں پہنچ رہے ہیں"

مزید فرمایا: ''ملکوں کی ترقی خوش حالی کے مصنوعی مظاہروں اور محض شان دار عمارتوں سے نہیں ہوتی۔ خصوصاً جبکہ ملک کے باشندوں کو بنیادی ضروریات بھی میسر نہ ہوں، تو قرض کی رقم کے بَل بوتے پر ان شاہ خرچیوں کا آخر کیا جواز ہے؟ پھر صورت یہ ہے کہ قرضوں کی رقم پر سالانہ سود جو ہم ادا کرتے ہیں، وہ چالیس کروڑ تک تو پہنچ چکا اور ابھی اس کی مقدار بڑھتی جا رہی ہے۔ فی الوقت یہ نہایت تشویش ناک صورتِ حال ہے۔''

خنزیر کیوں حرام ہے:؟

ایک موقع پر خنزیر کے حرام ہونے کے بارے میں گفتگو چلی، تو اس مسئلے کے مختلف پہلو سامنے آئے۔ ایک سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا:

''خنزیر کو تمام شریعتوں میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہودی شریعت میں حرام تھا۔ پرانے عہدنامے میں اب بھی صریحاً حرام لکھا ہوا ہے۔''

سائل نے کہا ''لیکن بائبل (نیا عہدنامہ) کی رو سے تو حلال ہے کیونکہ اس میں خنزیر کی حرمت یا حلّت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں؟''

مولانا نے جواب دیا: ''حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا میں پچھلی شریعتوں کی تنسیخ کرنے نہیں بلکہ اس کی توثیق کرنے آیا ہوں اور اُن کے احکام کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلوں گا۔ اب گزشتہ شریعتوں میں چونکہ خنزیر حرام تھا، اس لیے دوبارہ نام لینے کی حاجت محسوس نہیں کی گئی اس کے بعد خنزیر کو سینٹ پال نے 'حلال' کیا۔ ہوا یوں کہ جب اُس نے دیکھا کہ اہلِ مغرب خنزیر کھانے لگے ہیں اور اگر انھیں منع کیا گیا، تو یہ عیسائیت قبول نہیں کریں گے، تو اُس نے اس استدلال کی بنا پر کہ حضرت عیسیٰؑ ہمارے گناہوں کا کفارہ دینے کے لیے سُولی پر چڑھ گئے ہیں، صرف خنزیر ہی نہیں بلکہ اُن تمام چیزوں کو حلال کر دیا جو شریعت میں حرام تھیں۔''

مزید فرمایا: ”اصل میں معاملہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل و تجربے کی بنا پر جن چیزوں کا نقصان دہ اور ضرر رساں ہونا معلوم کرسکتا ہے، اُن کی حرمت کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ۔مثلاً سنکھیا انسان کے لیے مہلک شے ہے مگر قرآن وحدیث میں اُسے حرام نہیں قرار دیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی عقل و تجربے کی بناء پر اس کی ہلاکت آفرینی معلوم کی جاسکتی ہے۔نقصان دہ چیزوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کی مضرت انسان اپنی عقل و تجربے سے نہیں جان سکتا اور اُنھیں حرام قرار دیا گیا ہے۔خنزیر بھی اسی میں شامل ہے۔

”خنزیر میں بے غیرتی کی خاصیت دوسرے تمام جانوروں سے بڑھ کر پائی جاتی ہے اور آپ دیکھیں گے کہ جو قومیں خنزیر کھاتی ہیں ، بے حیائی اُن کی رگ رگ میں اتر چکی ۔ ایک دوسرے کی بیویوں کے ساتھ بیٹھنا، گھومنا پھرنا اور اُن کے ساتھ ناچنا، اُن کے آداب مجلس میں شامل ہے ۔اُن قوموں کے مقابلے میں جو خنزیر نہیں کھاتیں ، اُن کے ہاں آپ یہ بے غیرتی نہیں پائیں گے۔“

اُن صاحب نے کہا ”لیکن اب تو بعض دوسرے ممالک میں بھی یہ بے غیرتی اور بے حیائی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے، حالانکہ وہاں خنزیر نہیں کھایا جاتا۔“

مولانا نے جواب دیا: یہ درست ہے مگر یہ بے حیائی تقلید کے طور پر کی جارہی ہے، تہذیب کے طور پر نہیں۔خود ہمارے ہاں اِسے بے حیائی ہی سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے یہ بے حیائی یہاں آدابِ مجلس کا حصہ یا etiquette نہیں بن سکی۔“

یہ گفتگو مولانا کے ان الفاظ پر اختتام کو پہنچی:

”اگر ہمیں اللہ پر اعتماد ہے، تو اُن چیزوں سے اجتناب لازم ہے جو اللہ نے حرام کر رکھی ہیں، کیونکہ اُن میں ہمارے لیے مضرت کے پہلو ہیں۔پھر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے

کہ انسان پر غذا کا اثر دو طرح سے تو ہوتا ہے، ایک اُس کے جسم پر اور دوسرا اُس کے اخلاق پر۔ سائنس دان یہ تو بتلا سکتا ہے کہ فلاں غذا کا انسانی جسم پر کیا اثر ہوتا ہے لیکن کوئی شخص آج تک یہ نہیں بتا سکا کہ غذا کا اثر انسان کے اخلاق پر کیا ہوتا ہے اور یہ بات سائنس کے ذریعے معلوم بھی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کی ہیں، اُن کی مصلحت یہی ہے کہ بنیادی طور پر انسانی اخلاق پر اُن کا برا اثر پڑتا ہے۔''

فری انٹر پرائز کا نظریہ:

معاشیات کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب نے کہا ''مولانا! مغرب کا جدید فری انٹر پرائز کا نظریہ کیا ہمارے اسلامی نظریے سے ملتا جلتا نہیں؟''

مولانا نے جواب دیا: ''دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ یورپ کے فری انٹر پرائز کے نظریے میں فرد کو اتنی بے لگام آزادی ملتی ہے کہ وہ معاشرے کی اخلاقی اقدار تباہ کرتے ہوئے بھی اپنے انٹر پرائز کو ترقی دے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر فلم انڈسٹری کو لیجیے۔ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے فلم ساز ضروری سمجھتا ہے کہ وہ ایسی فلم بنائے جس سے اُسے زیادہ سے زیادہ آمدنی ہو، چاہے اُس میں عریانی دکھانی پڑے یا جرائم کے واقعات۔ اِس طرح فری انٹر پرائز کے ذریعے وہ معاشرے کے اخلاق کو بگاڑتا ہے مگر اُسے روکنے والا کوئی نہیں۔ اِس کے برعکس اسلام میں ایسی بے لگام آزادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔''

معیارِ زندگی یا معیارِ انسانیت:؟

معیارِ زندگی (Standard of living) کی بات ہوئی، تو مولانا نے فرمایا:

''اصل شے تو معیارِ انسانیت ہے، یہ اگر بلند ہو تو زندگی کے معیار حقیقی معنوں میں بلند ہوں گے۔ اِس کے بغیر معیارِ زندگی کی کچھ حقیقت نہیں۔ ایک جیب کترا اگر چلتے چلتے کسی

شخص کی جیب پر ہاتھ صاف کر کے اپنا معیارِ زندگی تو بلند کر لیتا ہے، لیکن اس کا کوئی تعلق معیارِ انسانیت سے بھی ہوتا ہے؟"

معیارِ زندگی پر اِس بات چیت کے دوران میں مولانا نے فرمایا:

"بعض چیزیں ایسی ہیں کہ درحقیقت ہماری زندگی میں اُن کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی لیکن اُنھیں ایک ضرورت بنا کر زبردستی ٹھونسا گیا۔ مثلاً بچپن میں ہم نے خود دیکھا کہ ہمارے معاشرے میں چائے کا رواج نہیں تھا مگر دہلی کے بازاروں میں چائے بالکل مفت پلائی جاتی تھی۔ اُسی زمانے میں آسام میں چائے کے باغات لگائے جا رہے تھے۔ دراصل یہ سب یورپ نے اپنے تجارتی مقاصد کے لیے کیا کہ زندگی میں ایک غیر ضروری شے کی زبردستی احتیاج پیدا کر دی جائے تاکہ وہ اپنی تجارت کو فروغ دے سکیں۔ موجودہ دور میں فیشن کی وبا بھی اِسی رجحان کے زیرِ اثر ہے۔ لوگ ازخود ایک طریقے کے خواہش مند نہیں ہوتے لیکن ایک طریقہ یا فیشن ایجاد کر کے اُن پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور اس طرح تجارتی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ عریانی نے بھی اِسی رجحان کی بدولت ہی جنم لیا۔"

اِسی سلسلے میں ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

"ٹرام جب نئی نئی چلی، تو چند برسوں تک لوگوں کو بالکل مفت سیر کرائی جاتی رہی۔ اُس کے بعد ایک پیسا کرایہ مقرر ہوا کہ ایک پیسے میں ایک شخص جہاں مرضی جا سکتا ہے۔ اب لوگ ہیں کہ ایک پیسا دے کر یونہی گھوم رہے ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ لوگوں کو ٹرام کی سواری کی عادت ڈالی گئی۔ پھر تو لوگ ٹرام میں سوار ہونے کے اِس قدر عادی ہو گئے کہ اگر کسی شخص کو دو یا تین فرلانگ کے فاصلے پر بھی جانا ہوتا، تو وہ آدھ آدھ گھنٹے تک ٹرام کے انتظار میں کھڑا رہتا لیکن پیدل نہ جاتا۔"

آپریشن طوفان الاقصیٰ

(سید عاصم محمود)

مجاہدین فلسطین نے اسرائیل پر اپنے تاریخی ودلیرانہ حملے کو قبلہ اول سے کیوں منسوب کیا؟۔۔۔حیرت انگیز انکشافات

۷ ستمبر، ہفتے کی صبح فلسطین کی حریت پسند تنظیم، حماس کے مجاہدین نے راکٹ چھوڑ کر اسرائیل پہ دھاوا بولا تو انھوں نے اپنے اس نئے حملے کو ''آپریشن طوفان الاقصیٰ'' کا نام دیا وجہ یہ ہے کہ گزشتہ ایک ڈیڑھ سال سے انتہاپسند یہود نے مسلمانانِ عالم کے قبلہ اول کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً بہانے بہانے سے قبلہ اول میں داخل ہو کر اس کا تقدس پامال کرتے ہیں۔حتیٰ کہ اسرائیلی پولیس جوتوں سمیت احاطے میں پہنچ کر مردوں، خواتین اور بچوں کو مارتی پیٹتی ہے۔ گویا یہود کے حوصلے مسلم حکمرانوں کی غفلت اور عام مسلمانوں کی لاپروائی سے بھی اتنے بلند ہو گئے کہ وہ کھلے عام قبلہ اول کی بے حرمتی کرنے لگے۔

یہود کی سرکشی کی وجہ اسرائیلی سیاست میں آنے والی اہم تبدیلی ہے۔اسرائیل میں پچھلے چند برس سے انتہاپسند جماعتیں عوام میں مقبول ہو چکیں۔یہود اب زیادہ تر ووٹ انہی کو دے رہے ہیں۔چنانچہ ایک سال پہلے موجود اتحادی اسرائیلی حکومت وجود میں آئی تو اس میں پانچ انتہاپسند یہودی جماعتوں کے وزیر شامل کیے گئے۔ان انتہاپسند یہودی رہنماؤں کا

سب سے خطرناک نظریہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے اس کی جگہ نیا ہیکل تعمیر کرلیا جائے۔

دو بدقسمت خطے:

مسلمانانِ فلسطین کی الم ناک داستان کا آغاز انیسویں صدی کے اواخر سے ہوتا ہے جب یورپی و امریکی یہود میں اپنی آزاد مملکت قائم کرنے کا خیال جڑ پکڑ گیا۔ اِس خواب کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر امیر کبیر یورپی و امریکی یہود نے فلسطین میں لاکھوں ایکڑ زمین خریدی اور وہاں غریب یہودیوں کو بسانے لگے۔ معصوم فلسطینیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہود نے زمینیں خریدنے کو ہتھیار بنالیا ہے، اور وہ اس کی مدد سے انھیں اپنے ہی وطن میں بے گھر کرنا چاہتے ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر کا کیس زیادہ پیچیدہ نہیں۔ اِس کا راجا ہندو تھا، لہٰذا وہ پہلے تو ریاست کو خودمختار مملکت بنانے کی کوششیں کرتا رہا۔ جب اُسے ناکامی ہوئی، تو بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا۔ برطانیہ بھارتی حکومت کی پشت پناہی کر رہا تھا، اِس لیے پاکستان یہ ریاست اپنے میں مدغم نہ کرسکا حالانکہ جموں و کشمیر کی ۷۵ فی صد آبادی مسلمان تھی۔

فلسطین کا معاملہ کافی پیچیدہ ہے، کیونکہ اِس کی مختلف جہتیں ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخی مفروضوں کے جال میں پھنس کر مسلمان بھی بھٹک گئے۔ مسئلہ فلسطین کا شاید سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ ہیکل سلیمانی کی جگہ تعمیر ہوئی ہے۔ بہت سے مسلمان بھی اِس جھوٹ کو سچ سمجھتے ہیں اور اِسی جھوٹ نے مسئلہ فلسطین کو جنم دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت عیسیٰ کے قاتل یہودی:

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قاتل (عیسائی عقیدے کے مطابق) یہود ہیں۔ اِسی لیے جب دنیائے مغرب میں عیسائیت کا بول بالا ہوا، تو یہودی عیسائیوں کی

نگاہ میں مجرم بن گئے ۔انھوں نے یہودیوں کے ساتھ بہت ذلت آمیز سلوک کیا۔انھیں مار پیٹ کا نشانہ بنایا گیا چنانچہ یہود نے اسلامی دنیا میں پناہ لی ۔اسپین اور افریقی ممالک یہود کے لیے بہترین پناہ گاہیں بن گئے ۔

اٹھارہویں صدی میں انتہاپسند پروٹسٹنٹ عیسائی علما میں اس نظریے نے جنم لیا کہ جب یروشلم میں نیا ہیکلِ سلیمانی بن جائے گا،تب ہی حضرت عیسیٰؑ دوبارہ زمین پر آئیں گے اس نظریے کے حامی عیسائی پھر فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کی تحریک چلانے لگے تاکہ بعد ازاں نیا ہیکل تعمیر ہو سکے ۔یوں حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی راہ ہموار ہو جاتی۔

درج بالا نظریے کو پہلے برطانیہ اور پھر امریکا کے حکمران طبقے میں بہت مقبولیت ملی ۔یہی وجہ ہے، دونوں ممالک کی حکومتیں یہودی کی پشت پناہی کرنے لگیں ۔دونوں عیسائی ملکوں کے مرکزی میڈیا سے یہ تاریخی حقیقت غائب ہوگئی کہ یہود ہی حضرت عیسیٰؑ کے قاتل ہیں ۔ اسی لیے آج امریکا اور برطانیہ کے اکثر عیسائی نوجوانوں کو علم ہی نہیں کہ یہود کی وجہ سے اُن کے نبیؑ مصلوب ہوئے ۔

اٹھارہویں صدی ہی میں یہ نظریہ بھی راسخ ہو چکا تھا کہ جس جگہ مسلمانوں کا قبلہ اول یا حرم شریف واقع ہے، وہیں ہیکلِ سلیمانی بنایا گیا تھا جسے رومیوں نے گرا دیا تھا ۔ گویا قبلہ اول منہدم ہونے کے بعد ہی اس جگہ نیا ہیکل تعمیر ہو سکتا ہے ۔اسی لیے پچھلے ساٹھ ستر سال کے دوران قبلہ اول کو نذرِ آتش کرنے کی کوششیں ہو چکیں اور یہ سعی اب بھی جاری ہے۔

انکشاف انگیز کتب:

قبل ازیں مگر بتایا جا چکا کہ یہ تصور بالکل غلط ہے کہ حرم شریف (مسجدِ اقصیٰ ،گنبدِ صخرہ اور دیگر مسلم تاریخی عمارات) کو ہیکل کی جگہ تعمیر کیا گیا ۔دنیائے عیسائیت میں کئی مؤرخین

اوردانشور اِس موضوع پر کتب لکھ کر یہ نظریہ رد کر چکے۔لیکن مغربی میڈیا پر یہود اور اُن کے ساتھی عیسائیوں کا قبضہ ہے۔اِسی لیے دنیا بھر میں یہ کتب مشہور نہیں ہو پائیں اور عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہیکل حرم شریف کی جگہ واقع تھا جسے رومیوں نے ۷۰ء میں توڑ ڈالا تھا۔

امریکا اور برطانیہ میں یہود اور اُن کے ہم نوا عیسائیوں نے جو غلط نظریات اور تصورات پھیلا دیے ہیں، اُن کا رد کرتے ہوئے کئی کتب شائع ہو چکیں۔اُن میں تین کتابیں قابلِ ذکر ہیں:

(1) The Temples That Jerusalem Forgot By Ernest L. Martin

(2) The Jerusalem Temple Mount Myth By Marilyn Sams

(3) Mysteries Of Jesu' Life Revealed By Joseph lenavd

یہ محض چند کتب ہیں، ورنہ درج بالا موضوع پر کئی امریکی، برطانوی اور یورپی دانشور قلم اٹھا چکے۔اُن کی تحقیق افشا کرتی ہے کہ یہود نے بڑی عیاری و مکاری سے دنیائے عیسائیت میں اپنے ساتھی ڈھونڈ لیے جو اُن کی ہر بات پر آمنا و صادقنا کہتے ہیں۔یہودی کے یہ دوست عیسائی اصطلاح میں ''صیہونی عیسائی'' کہلاتے ہیں۔درج بالا کتب میں جو چشم کشا اور حیرت انگیز حقائق بیان ہوئے ہیں، اُن کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

ہیکل بنتے ٹوٹتے رہے:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یروشلم میں تقریباً ۹۷۰ قبل مسیح میں پہلا ہیکل تعمیر کرایا یہ ہیکل شاہ بابل، بنوخذنصر دوم نے ۵۸۶ قبل مسیح میں تباہ کر دیا۔بعد ازاں ۵۸۷ قبل مسیح اور ۵۳۴ قبل مسیح میں یہود نے دو عارضی ہیکل بنائے۔چوتھا ہیکل ۵۱۶ قبل مسیح میں تیار ہوا۔ اِسے ۱۵۵ قبل مسیح میں یہود کے بادشاہ، شمعون حمونی (Simon Thassi) نے گرادیا۔

شمعون کے بیٹے نے نیا ہیکل تعمیر کرایا جو ۱۴۵ قبل مسیح میں مکمل ہوا۔

یہود کے بادشاہ اور سلطنتِ روما کے نمائندے، ہیروڈ اعظم نے چھٹا ہیکل تعمیر کرایا جو ۷ قبل مسیح میں مکمل ہوا۔ یہ ہیکل ۷۰ء میں رومی حکمران، ٹائیٹس نے تباہ کر دیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے پیشین گوئی کی تھی کہ ہیکل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اِس کا ایک پتھر بھی سلامت نہیں رہے گا۔ یہ پیشین گوئی چار میں سے تین انجیلوں ۔۔۔ لوقا: ۱۹۔ ۴۳ تا ۴۴، متی: ۲۴۔ ۱ تا ۲ اور مرقس: ۱۳۔ ۱ تا ۳ میں آئی ہے۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ یوسیفس (Josephus) اُس دور کا سب سے مشہور یہودی مؤرخ گزرا ہے۔ اُس کی کتب قابلِ اعتماد اور مستند سمجھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''یہود کی جنگ جلد ہفتم'' میں لکھتا ہے:

''سیزر (رومی حکمران) نے حکم دیا کہ پورا شہر اور ہیکل تباہ کر دیا جائے ۔۔۔ صرف شہر کے گرد تعمیر شدہ دیوار باقی رکھی جائے۔ چنانچہ شہر کی عمارتیں بنیادیں کھود کر گرا دی گئیں حتیٰ کہ شہر صفاچٹ میدان بن گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہاں کوئی آبادی رہی ہوگی۔''

اُس زمانے میں الیعزر بن یئر (Eleazar Ben Yair) یہود کا عسکری رہنما تھا جو رومیوں سے نبرد آزما رہا۔ آخر رومی فوج نے اُسے بھی شکست دے دی۔ ۷۳ء میں الیعزر نے یوسیفس کو رومی فوج کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بارے میں بتایا۔ یوسیفس نے اُس کا بیان اپنی کتاب میں قلم بند کر دیا۔ الیعزر نے بتایا:

''اِس عظیم شہر کی بنیادیں تک کھود ڈالی گئیں۔ صرف رومیوں کا قلعہ باقی رہا، بقیہ سب کچھ (ہیکل سمیت) پیوند خاک ہو گیا۔ ہیکل کی راکھ میں چند یہود کی لاشوں کی راکھ بھی شامل ہو گئی۔ رومیوں نے ہماری چند عورتوں کو قبضے میں لے لیا جس سے ہمیں ذلت و رسوائی کا

سامنا کرنا پڑا۔"

الیعزر کا بیان کچھ یوں ختم ہوتا ہے:

"میری تمنا ہے کہ کاش میں یہ دیکھنے سے پہلے مر جاتا کہ مقدس شہر ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں تباہ ہو گیا اور ہمارے ہیکل کی بنیادیں تک بڑے وحشیانہ طریقے سے کھود دی گئیں۔"

درج بالا شہادت اس امر کا ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور یروشلم میں یہود کا ہیکل "مکمل" تباہ ہو گیا۔ لیکن پھر یہ "مغربی دیوار" (ویسٹرن وال) یا "دیوارِ گریہ" کہاں سے آ گئی جس کے متعلق دورِ جدید کے یہود کا دعویٰ ہے کہ وہ ہیکل کا حصہ تھی؟ اس کا تو مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ یہی بات صیہونی عیسائیوں کی سمجھ میں نہیں آتی جو ذہنی طور پر مکار یہود کے غلام بن چکے۔ دیوار گریہ دراصل "قلعہ انطونیہ" کا ایک حصہ ہے۔

یروشلم کا چشمہ:

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یروشلم بھی مکہ معظمہ کی طرح ایک چشمے ۔۔۔ عین سلوان (Gohon Spring) کے کنارے آباد ہوا۔ یہ چشمہ ایک پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے جو اب "مروہ" (Moriah) کہلاتا ہے۔ اسی پہاڑی کے مشرقی جانب حضرت داؤدؑ نے "شہرِ داؤد" (City Of David) کی بنیاد رکھی تھی۔ شہرِ داؤد کے مشرق میں کوہ زیتون واقع ہے۔

مروہ پہاڑی سلسلے کے درمیان میں ایک ڈھلوان واقع تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے اُس ڈھلوان کو مٹی ڈال کر نہ صرف پُر کیا بلکہ اُسے سطحِ مرتفع میں تبدیل کر دیا۔ یہ سطحِ مرتفع اب "اوپل" (Ophel) کہلاتی ہے۔ مؤرخین کی رو سے اسی اوپل کے علاقے میں

حضرت سلیمانؑ نے پہلا ہیکل تعمیر کرایا۔نیز بقیہ ہیکل بھی اسی جگہ تعمیر ہوئے۔بائبل میں اسی مقام کو ''صیہون''(Zion) کہا گیا ہے۔مزید براں بائبل میں شہرِ داؤد بھی صیہون کہلاتا ہے اوپل پر ہیکل اس لیے تعمیر کیا گیا کیونکہ عین سلوان قریب ہی واقع تھا۔یہودی اکثر ہیکل میں بیلوں کی قربانی کرتے تھے۔اس لیے پانی فراوانی میں ہونا ضروری تھا۔نیز ان کے لیے لازم تھا کہ وہ ''بہتے پانی''میں غسل کر کے ہیکل میں داخل ہوں۔

قلعہ تعمیر ہوتا ہے:

ہیروڈ اعظم کے زمانے ہی میں مروہ پہاڑی سلسلے کے سب سے اونچے مقام پر ایک رومی قلعے کی تعمیر شروع ہوئی۔اس قلعے میں رومی فوج نے قیام کرنا تھا تاکہ وہ حملہ آوروں سے یروشلم اور ہیکل کی حفاظت کر سکے۔یہ ایک بہت بڑا قلعہ تھا جسے ''انطونیہ قلعے'' (Antonia Fortress) کا نام دیا گیا۔یہی وہ قلعہ ہے جو ۷۰ء میں رومی حملے کے دوران محفوظ رہا۔ظاہر ہے،رومی فوج اپنے ہی قلعےاور مسکن کو کیسے مسمار کر دیتی؟

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قسطنطین اعظم بنا،تو اُس نے عیسائیت قبول کر لی اور یہود کو بھی کچھ حد تک مذہبی آزادی دے ڈالی۔چنانچہ ۳۱۲ء سے یہود کوشش کرنے لگے کہ وہ اوپل کے مقام پر نیا ہیکل تعمیر کر لیں مگر جلد ہی قسطنطین اعظم چل بسا اور یہود کا منصوبہ ختم ہوا۔

۳۶۱ء میں جولین سلطنت روما کا حکمران بن گیا۔اُس نے عیسائیت کی جگہ یونانی فلسفے کو اپنی سلطنت کا سرکاری مذہب بنا دیا۔چنانچہ ۳۶۲ء سے یہودی پھر اوپل پر ہیکل بنانے کی کوشش کرنے لگے۔مگر اگلے سال جولین چل بسا اور یہ منصوبہ بھی ٹھپ ہو گیا۔

۳۳۳ء میں فرانس سے ایک سیاح یروشلم آیا۔وہ ۳۳۴ء تک فلسطین میں مقیم رہا۔واپس جا کر اُس نے سفر نامہ لکھا جو اب ''بورڈیکس سفر نامہ''

(Itinerarium Burdigalense) کہلاتا ہے۔اس سفرنامے میں نامعلوم سیاح نے لکھا ہے کہ اُس نے اوپل کے مقام پر زیرِتعمیر اور نامکمل ہیکل کا مشاہدہ کیا۔یہ اس کا ثبوت ہے کہتب یہودی ہیکل کے اصل مقام سے واقف تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی آمد:

اوپل کا مقام پھر تقریباً تین سو سال تک کھنڈر بنا رہا۔بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ یروشلم کے رہائشی وہاں کوڑا کرکٹ پھینکتے رہے،مگر قلعہ انطونیہ میں قسطنطین کی ماں نے ایک چھوٹا سا گرجا،"چرچ آف دی ہولی وزڈم"تعمیر کرا دیا۔۶۱۴ء میں جب ایرانی فوج نے یروشلم پر قبضہ کیا،تو اُس نے یہ چرچ تباہ کر ڈالا۔

اسلامی فوج نے ۶۳۷ء میں یروشلم فتح کرلیا۔حضرت عمر فاروقؓ نے شہر میں مقیم تمام عیسائیوں کو امان دی اور وعدہ فرمایا کہ اُن کی کسی عبادت گاہ کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔یروشلم میں ایک بھی یہودی مقیم نہیں تھا،وہ صرف زیارت کرنے آسکتے تھے۔حضرت عمر فاروقؓ نے مگر یہود کو بھی معاہدہ جنگ بندی میں شامل کرلیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی یروشلم آمد کا احوال عیسائیوں کے اولیں عرب مؤرخ، سعید بن بطریق (Eutychius Alexandria) نے اپنی کتاب "نظم الجواہر" میں قلمبند کیا ہے۔سعید بن بطریق اسکندریہ چرچ کا رہنما تھا جو ۸۷۷ء تا ۹۴۹ء زندہ رہا۔وہ اپنی کتاب "نظم الجواہر" میں لکھتا ہے:

"حضرت عمر فاروقؓ یروشلم کے بطریق،صفرنیوس کے ساتھ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کر رہے تھے۔جب وہ مروہ پہاڑی سلسلے پر پہنچے،تو صفرنیوس نے خلیفۂ راشد دوم کو پیش کش کی کہ اس جگہ مسجد بنوا لیجیے۔یہ وہ مقام ہے جہاں رومی بادشاہ اپنی عبادت گاہ

نہیں بنا سکے۔ یہ یہود کے لیے متبرک ترین مقام ہے۔صفرنیوس کا اشارہ اوپل کی طرف تھا جہاں منہدم ہیکل کا ملبہ بکھرا پڑا تھا۔

''حضرت عمر فاروقؓ نے مگر یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ یہود کے متبرک ترین مقام پر ایک مسجد تعمیر کر دیں۔آپؓ نے البتہ قلعہ انطونیہ کے جنوبی مقام پر نماز ادا فرمائی۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمﷺ نے مروہ پہاڑی سلسلے کے بلند ترین مقام سے معراج فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جہاں نماز ادا فرمائی ،بعد ازاں اُسی جگہ مسجد الاقصیٰ تعمیر کی گئی۔اِس کے بعد منہدم چرچ کی جگہ اموی بادشاہوں نے گنبدِ صخرہ تعمیر کر دیا۔

مسلم مؤرخین لکھتے ہیں کہ گنبدِ صخرہ کے نیچے جو چٹان واقع ہے، نبی کریمﷺ نے اُس جگہ سے آسمان کی جانب معراج فرمایا تھا۔یہ چٹان عیسائیت میں بھی اہم مقام رکھتی ہے۔ کئی عیسائی مؤرخین لکھتے ہیں کہ اِسی جگہ حضرت عیسیٰؑ پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔

دراصل قلعہ انطونیہ ہی میں یروشلم میں رومی گورنر کا ہیڈ کوارٹر واقع تھا۔شروع میں یہ ہیڈ کوارٹر خیمے میں واقع تھا۔پھر اس جگہ مستقل عمارت بنا دی گئی۔اِس عمارت کے وسط میں ابھری چٹان واقع تھی جہاں ملزم کو بٹھایا جاتا تھا۔ رومی گورنر کا یہ ہیڈ کوارٹر پراٹوریم (Praetorium) کہلاتا تھا اور جس رومی گورنر نے حضرت عیسیٰؑ کا مقدمہ سنا،اُس کا نام پیلاطس (Pontius Pitate) تھا۔

جھوٹ جو سچ بن گیا:

عیسائی مؤرخین کے مطابق بنیامین التطیلی پہلا یہودی ہے جس نے قرار دیا کہ حرم الشریف (قلعہ انطونیہ) ہیکل کی جگہ واقع ہے۔یہ سیاح اسپین کے شہر تطلیہ کا باشندہ تھا اور

۱۱۶۹ء میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنے یروشلم آیا تھا۔ یروشلم میں اُس کی ملاقات اُس یہودی ساکن، ابرہام القسطنطینی سے ہوئی۔

ابرہام صاحب نے ''انکشاف'' کیا کہ مروہ پہاڑی سلسلے کے شمالی حصے میں ایک ''مزار'' برآمد ہوا ہے جس میں حضرت داؤد اور یہود کے دیگر معززین کی قبریں ہیں۔ بنیامین التطیلی نے یہ ''انکشاف'' اپنے سفرنامے میں بیان کر دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ مروہ پہاڑی سلسلے کے شمالی حصے سے ایک چرچ کے آثار برآمد ہوئے تھے جو عیسائیت کے اوّلیں دور میں بنایا گیا تھا اُس میں حضرت داؤد نہیں، مقامی عیسائیوں کی قبریں برآمد ہوئی تھیں۔ مگر ابرہام القسطنطینی کے دعویٰ کو یہود نے سچ مان لیا، چنانچہ یہود کی نئی نسلیں سمجھنے لگیں کہ ہیکل مروہ پہاڑی سلسلے کے شمالی حصے یعنی حرم الشریف میں واقع تھا، اوپل پر نہیں۔ عیسائی مؤرخین نے اپنی کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد الاقصیٰ کی تعمیر کے وقت اوپل میں بکھرے ہیکل کے ملبے سے پتھر لیے گئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ہیکل کی ''برکت'' مسجد میں منتقل ہو سکے۔ ملبہ استعمال کرنے کی وجہ سے اہلِ یروشلم مسجد الاقصیٰ کو ہیکل والی مسجد کہنے لگے۔ اِس عمل نے بھی یہود میں یہ دیومالا پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کیا کہ ہیکل حرم الشریف میں واقع تھا۔

آج مسلمانوں اور یہود کے درمیان یہ معاملہ بنیادی تنازع بن چکا۔ انتہا پسند اور مذہبی یہود دعویٰ کرتے ہیں کہ ہیکل حرم الشریف میں کسی جگہ بنا ہوا تھا۔ وہ اِس ضمن میں مسجد الاقصیٰ، گنبدِ صخرہ اور وضو کرنے والی جگہ کا نام لیتے ہیں۔ یہود کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ گنبدِ صخرہ کے نیچے واقع چٹان ہی اِن کا ''مقدس ترین مقام ہے'' (Holy of Holiness) ہے۔

یہ عیاں ہے کہ اگر یہود نے حرم الشریف کو تباہ کرنے کی کوئی بھی کوشش کی تو

یونے دواربسلمان قبلۂ اوّل کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکیں گے۔تب ممکن ہے کہ یہوداور مسلمانوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔اگر امریکا، برطانیہ اور فرانس کے حکمران اِس جنگ میں کود ے،تو یہ عالمی جنگ میں بدل جائے گی۔

حماس کے حالیہ حملوں میں امریکا، برطانیہ اور بھارت نے اسرائیلی حکومت کی جس طرح کھلے عام حمایت کی ہے، اُسے دیکھ کر عالمِ اسلام کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یہ تینوں ممالک کسی بھی طرح مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے۔بلکہ اپنے مفادات ومقاصد پورے کرنے کی خاطر دوستی کرتے ہیں۔اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی بقا اِسی میں ہے کہ وہ باہمی اتحاد اور یک جہتی سے ترقی کریں، عسکری طاقت پائیں اور معاشی طور پور مضبوط ہوجائیں۔تبھی وہ عالمی سطح پر طاقت بن کر یہود اور اُن کے پشتی بانوں کی سازشوں اور چالوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کو سمجھنا ہوگا کہ مسلمانوں کے مابین اختلافات پیدا کر کے انھیں ہوا دینا دشمن کی مرغوب چال بن چکا۔اب انھیں تمام اختلافات پسِ پشت ڈال کر باہمی پیار و محبت اور یک جہتی کو فروغ دینا ہوگا۔تبھی عالمِ اسلام کی دنیاوی و دینوی ترقی ممکن ہے۔ دوسری صورت میں مسلمان بدستور سپر پاورز اور اُن کے عالمی مالیاتی اداروں کے غلام بنے رہیں گے۔

شعب بن ہاشم کی محصوری

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

ایمانِ جناب عمرؓ کوئی ایسا معمولی اور نا قابل توجہ واقعہ نہ تھا جو کفار قریش کو چونکا کر نہ رکھ دیتا۔ ان کے قبول اسلام سے جماعت مومنین کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ اس کی وجہ سے منکرین اور زیادہ انگاروں پر لوٹنے لگے۔ ادھر اہل اسلام کا ایک جدید باشوکت دور شروع ہوا اور ادھر اہل کفر میں ایک نئی تحریک کی لہر دوڑ گئی۔ اب ہم سن ۷ نبوت میں قدم رکھ رہے ہیں جب کہ مسلمانوں کو عموماً اور ابنائے ہاشم کو خصوصاً ایک شدید قسم کے دور ابتلا و امتحان سے گزرنا پڑا اور مسلسل تین سال (۱۰ نبوت) تک روح فرسا آزمائشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

ابو طالب نے ہاشمی اقتدار کو (نہ کہ اسلامی وقار کو) باقی رکھنے کے لیے تمام ہاشمیوں کو جس میں صرف ابولہب مستثنیٰ رہا، اپنی حمایت کے لیے ایک مرکز پر جمع کر لیا تھا' اس میں قبیلوی رواج کے مطابق مومن و کافر سب شریک تھے۔ ابو طالب کی اس تحریک سے وقتی طور پر منتشر قوتیں یک جا ہو گئیں لیکن دینی زاویہ نگاہ سے غیر مسلم ہاشمیوں کی یہ حمایت ایک قبیلوی عصبیت سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد اہل کفر کی مجموعی قوت نے ابو طالب کی اس تحریک حمایت سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اس خالص دینی تبلیغ کو فی الواقع قبیلوی رنگ دے دیا اور اب اسلام و کفر کی یہ جنگ ہاشمی و غیر ہاشمی کی جنگ بن گئی۔ اس سے اہل کفر

نے فائدہ یہ اٹھایا کہ (تمام مسلمانوں کے نہیں بلکہ صرف) بنی ہاشم کے مقاطعے کی تحریک پیش کر دی۔اس مقاطعے میں انھوں نے ابولہب کے سوا مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ رکھی۔ جو ہاشمی تھا وہ مقاطعے کا مستحق سمجھا گیا خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔اور زیادہ دلچسپ بات یہ ہوئی کہ جو ہاشمی نہ تھا خواہ وہ مومن و مسلم ہی کیوں نہ ہو، مقاطعے کا سزاوار نہ سمجھا گیا۔

کافرانہ سیاست:

مکی اور قریشی اہل کفر کچھ ایسے بھولے بھالے نہ تھے جو معاملات کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر رہتے۔یہ بڑے گھاگ سیاست دان تھے۔مقاطعے کا یہ فیصلہ یوں ہی رواروی میں نہیں کیا تھا اور خاص کر بنی ہاشم کے مقاطعے کی تخصیص بلاوجہ نہ تھی۔یہ ان کی اتنی گہری سیاسی نکتہ رسی تھی کہ اس کے بعد تائیدِ ایزدی اہل ایمان کی بے پناہ قوت صبر و استقامت نہ ہوتی تو کفر کے غالب آ جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔

ذرا سوچیے، ان اہل کفر نے خاص طور پر بنی ہاشم ہی کو کیوں نشانہ بنایا؟ سارے مسلمانوں کو اس لپیٹ میں کیوں نہ لے لیا؟

۱۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ابو طالب کی تحریک حمایت (بر بنائے ہاشمیت) نے خود ہی اسلام کی عالم گیر حیثیت کو ہاشمی قبیلوی رنگ دے دیا تھا۔ظالموں نے اسی سے فائدہ اٹھایا اور انھیں یہ پروپیگنڈے کا موقع مل گیا کہ یہ صرف اقتدار ہاشمیت کی قبیلوی تحریک ہے۔کوئی دینی تحریک ہوتی تو غیر مسلم ہاشمی کیوں حمایت کے لیے کھڑے ہو جاتے؟

۲۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ غالباً وہ تمام مسلمانوں کا دفعتہً بائیکاٹ کرنے میں ایک بڑا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔وہ اور کس کس کو مقاطعے کی لپیٹ میں لیتے؟ اگر جناب عمرؓ کا بائیکاٹ

کرتے تو صرف آل خطاب ہی نہیں بلکہ عرب کی قبیلوی ذہنیت کے مطابق سارے ورنہ اکثر بنی عدی بھی عمر بن خطاب کی حمیت جاہلیت پر اتر آتے۔ اگر جناب عثمانؓ سے مقاطعہ کرتے تو بہتیرے یا سارے بنی امیہ ان کی حمایت میں کفار قریش کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جس جس قبیلے کا کوئی فرد اسلام لایا تھا اس سے مقاطعہ کرنے کا مطلب ان تمام خاندانوں اور قبیلوں کو دعوت مقابلہ دینا تھا اور وہ سب کے سب نہیں تو بیشتر افراد اپنے قبیلے کے مسلم فرد کی اسی طرح حمایت کرنے پر آمادہ ہو جاتے جس طرح ابو طالب کی آواز پر تمام مسلم و کافر ہاشمی حمایت کے لیے مجتمع ہو گئے۔ ان سب کا مقابلہ و مقاطعہ قریش کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے بڑی دانائی کے ساتھ ابو طالب کی تحریک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقاطعے کو صرف بنی ہاشم تک ہی محدود رکھا۔

۳۔ مقاطعے کا یہ دائرہ محدود رکھنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اگر یہ کامیاب ہو گیا تو رفتہ رفتہ دوسرے قبائل کے مسلمانوں کو بھی اسی طرح لپیٹ میں لے لیا جائے گا۔ گویا یہ ایک پہلا تجربہ تھا جو بعد میں دوسروں پر بھی آزمایا جاتا۔

۴۔ ایک بڑا سبب مقاطعہ بنی ہاشم کی تخصیص کا یہ بھی تھا کہ اہل کفر کو جو کچھ دشمنی تھی وہ دراصل محمدؐ رسول اللہ سے تھی۔ بنی ہاشم کے غیر مسلم بے شک ان منکروں کے ہم مذہب تھے لیکن ان سے ان کو اتنی ہمدردی نہ تھی جتنی دشمنی حضور سے تھی۔ وہ یہ جذبہ رکھتے تھے کہ ان کی بلا سے غیر مسلم ہاشمی بھی ختم ہو جائیں لیکن ان کے ساتھ اگر رسول ہاشمیؐ کو بھی بے بس کر دیا جائے تو خود بخود سارا قصہ پاک ہو جائے گا۔ اس لیے انھوں نے بھی اپنی ساری توجہ بنی ہاشم ہی کے مقاطعے پر مرکوز کر دی۔

۵۔ ایک اور مصلحت یہ بھی تھی کہ اب اسلام کچھ قوت پکڑ چکا تھا۔ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے

انسان اسلام لا چکے تھے۔اب پہلے کی طرح صرف چند بے بسوں کا معاملہ نہ تھا۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سختی وظلم کی یہ شکل زیادہ آسان تھی کہ ہر ایک پر الگ الگ ظلم کیا جائے تاکہ حتی الامکان ایک دوسرے سے بے خبر رہے یا کم ازکم اپنی آنکھ سے نہ دیکھے۔اس کی یہی صورت تھی کہ بنی ہاشم کو عام مسلمانوں سے کاٹ کر الگ کرلیا جائے تاکہ یہ عام مسلمانوں سے اور عام مسلمان ان سے بے خبر رہیں۔اور جو مسلمان اس مقاطعے سے باہر رہیں'ان پر الگ الگ سختیاں کی جائیں تاکہ جو ڈھارس اجتماعی مظلومیت میں ہوتی ہے وہ بھی نہ باقی رہے۔

۲۔ غرض یہی سب خطرات یا مصالح تھے جن کی وجہ سے معاندین نے مقاطعے کے لیے ابتداءً صرف بنی ہاشم کو نشانہ بنایا۔ایک بہت بڑی وجہ جسے اصلی وجہ کہنا چاہیے یہ تھی کہ رائج الوقت عرب کے قبیلوی دستور کے مطابق حضورؐ کو کفار قریش کے حوالے کردینے کی ذمہ داری صرف بنی ہاشم پر آتی تھی۔جس سے حضورؐ کے چچا اور بنی ہاشم کے سردار ابو طالب نے صاف انکار کردیا جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔یہی سبب تھا کہ ان کی نگاہ میں اصلی مجرم بنی ہاشم تھے جن کے تمام افراد کو ابو طالب نے اپنی قبیلوی حمایت پر اکٹھا کرلیا تھا۔رہے دوسرے مسلمان تو ان کا جرم ان کی نظروں میں ثانوی حیثیت رکھتا تھا اور وہ ان سے بعد میں بھگت لینے پر اپنے آپ کو قادر سمجھ رہے تھے۔

غرض یہ تھی وہ کافرانہ سیاست جس نے تمام کے تمام ابنائے ہاشم کو خاص طور پر ہدف مقاطعہ بنادیا۔

مقاطعے کی شکل:

ان سب غیر ہاشمی کفار قریش نے ایک حلف نامہ لکھا کہ ان تمام بنی ہاشم سے

(بجز ابولہب کے) سلام' کلام' خرید' فروخت' اعانت' امداد' مناکحت' رشتے داری غرض ہر چھوٹے بڑے معاملے میں کامل ترک تعلق کر لیا جائے۔ اس حلف نامے پر تمام ذمے دار اشخاص کے دستخط لیے گئے اور یہ حلف نامہ کعبے کے دروازے پر اس اعلان کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا کہ یہ حلف نامہ اس وقت تک آویزاں رہے گا جب تک بنی ہاشم محمدؐ کو قریش کے حوالے نہ کردیں۔

محصوری کے مصائب وآلام:

تمام قبائل قریش کے اس اعلان مقاطعہ کے بعد بنی ہاشم اپنا سامان خوردونوش وغیرہ لے کر ایک تنگ گھاٹی میں محصور ہو گئے' اور اس محصوری کے نتیجے میں دوسرے غیر ہاشمی مسلمان بھی اپنے اپنے گھروں میں گویا محصور ہو گئے۔ یہ مقاطعہ اور یہ محصوری تین سال (۱۰ نبوی) تک جاری رہی۔ بنی ہاشم کا غلہ اور سامان خوردونوش ختم ہو گیا۔ بھوک کی شدت میں درختوں کے پتے تک انھیں کھانے پڑے۔ بچے بھوک سے روتے تو ان کی آوازیں گھاٹی سے باہر تک پہنچ جاتیں۔ بعض مسلمان چوری چھپے کچھ غلہ پہنچا آتے۔ اور یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ بعض اوقات وہ کفار بھی غلہ پہنچا دیتے جن کے دل میں رحم اور انسانیت وشرافت کی رمق موجود تھی۔

منکرین حق ہزار ظالم و بے رحم ہوں لیکن ان سب کا یکساں ہونا ضروری نہیں۔ ان میں کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسانیت وشرافت کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ دینی یا قبیلوی اختلاف سے کسی وقت بالاتر ہو جاتے ہیں اور انسانی رحم دلی' نیکی اور ہمدردی کے تقاضے پورے کرنے میں وہ تامل نہیں کرتے۔ یہ دراصل ایسی اخلاقی قدریں

ہوتی ہیں جو انھیں بہ نسبت دوسروں کے اسلام کے قریب تر رکھتی ہیں اور مستقبل میں ان کا قبول اسلام زیادہ متوقع ہوتا ہے۔ اسلام ایسی نیکیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام نجات اخروی کا دارومدار صرف اتنی ہی باتوں پر نہیں رکھتا، وہ آگے بھی بہت کچھ چاہتا ہے۔ لیکن جہاں تک دنیوی زندگی کے فوز و فلاح اور حسن جزا و مراعات کا تعلق ہے، اسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ بلکہ حکیم بن حزام نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ:

"میں جاہلیت کے ایام میں کئی ایک نیک کام کیا کرتا تھا، مثلاً صلوٰۃ غلاموں کی رہائی اور صدقہ وغیرہ۔ تو کیا اب اسلام لانے کے بعد ان نیکیوں کا اجر ملے گا؟"

حضورؐ نے جواب دیا کہ: "جو نیکیاں تم کر چکے ہو، ان ہی کی برکت سے تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" (رواہ الشیخان، عن حکیم بن حزام)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی نیکیاں ضائع نہیں جاتیں بلکہ ان کی وجہ سے وہ اسلام سے قریب تر رہتے ہیں اور ان ہی کی بدولت انھیں دولت اسلام نصیب ہوتی ہے اگر چہ یہ کلیہ نہیں لیکن غالب توقع یہی ہوتی ہے کہ حالت کفر کی نیکیاں اسلام کی طرف لے آئیں۔ اب اخروی نجات کا معاملہ تو ایک روایت اس کے متعلق بھی سن لیجیے۔ عبداللہ بن مسعودؓ حضورؐ کی ایک حدیث یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

کوئی شخص بھی خواہ وہ مسلم ہو یا کافر جب نیکی کا کوئی کام کرے گا تو اس کا صلہ دیا جائے گا۔ ہم لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ مسلمان کو جو ثواب سے بہرہ مند کیا جاتا ہے، اس کا تو ہمیں علم ہے لیکن کافر کو ثواب کیوں کر مل سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ: جب وہ عطا و بخشش کرتا ہے یا صلہ رحمی کرتا ہے یا اور کوئی نیک کام کرتا ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے مال و منال اور اولاد کی صورت میں اس کا صلہ دیتا ہے اور آخرت میں اس کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ (بزار)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کفر کو ثواب دنیا تو ضرور ملتا ہے اور آخرت کا ثواب اگر چہ نجات کی شکل میں نہ ہوتا ہم تخفیف عذاب کی صورت پیدا کر دی جاتی ہے۔

آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ بہت سے اور منکرین اسلام نے بھی کئی موقعوں پر اہل اسلام کے ساتھ اپنی شرافت و ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اسلامی فیصلہ وہی ہے جو ان دو روایتوں سے مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی دنیاوی نعمتوں میں اضافہ اور اخروی عذاب میں بقدر نیکی تخفیف۔ لیکن نجات کے لیے توحید اپنے تمام تقاضوں کے ساتھ لازمی ہے شرک کے ہوتے ہوئے نجات کے متعلق صاف قرآنی فیصلہ یہ ہے:

ترجمہ: خدا اس بات کی تو مغفرت ہی نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

محصوری کا اختتام:

مقاطعے اور محصوری کے یہ تین سال انتہائی آزمائش کے دن تھے۔ لیکن اس دوران میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی مرد و زن کے پائے ثبات میں لغزش آئی ہو یا اس کے دل میں ایک لمحے کے لیے بھی کفر و اسلام کے درمیان مصالحت پیدا کرنے کا خیال آیا ہو۔ یہ ایمان کی پختگی' یہ اسلامی استقامت' یہ غیر متزلزل عزیمت' یہ بلند حوصلے' ان پروانہ ہائے شمع نبوت میں کس نے پیدا کیے؟ یہ تربیت تھی محمد عربی کی۔ یہ بلند ترین کریکٹر تھا جناب رسالت مآب کا' جسے وہ ابتدا سے دیکھتے چلے آئے تھے اور جس سے زیادہ ان کی نگاہ میں کوئی اور شے قابل اعتماد نہ تھی۔ اگر حضور کی صداقت و استقامت میں انھیں ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ بھی ہوتا تو ان کے لیے ساتھ چھوڑ دینے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہ تھا۔ کون ہے جو کسی کے لیے اپنی ہر متاع عزیز کو اس طرح خطرے میں ڈال دے اور تین سال تک لگاتار ایسی شدید آزمائش

میں بھی ثابت قدم رہے؟

ہاں ایک سوال یہاں ضرور ہوسکتا ہے کہ اسی قسم کی استقامت کا ثبوت تو ان ہاشمیوں نے بھی بہم پہنچایا جو مومن نہ تھے ۔ان میں یہ ثبات قدم کس نے پیدا کیا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اہل کفراور اہل اسلام کے زاویہ ہائے نظر کا مابہ الامتیاز فرق معلوم کرنا ضروری ہے اہل کفر ہونے کا یہ مفہوم بالکل نہیں کہ ان کے اندر کوئی اچھی صفت ہوتی ہی نہیں ۔یقیناً ان کے اندر بھی اعلیٰ قدریں موجود ہوتی ہیں ۔ان کا جرم صرف اسی قدر ہے کہ یا تو وہ ان اعلیٰ اقدار کے سر چشمہ حقیقی (خدائے تعالیٰ) سے بے تعلق ہوتے ہیں یا پھر اپنی ان اقدار کا استعمال غلط کرتے ہیں ۔ایک کافر بھی سخی ہوسکتا ہے،بہادراور ثابت قدم ہوسکتا ہے رحم دل اور ہمدرد ہوسکتا ہے صاحب علم وحکمت ہوسکتا ہے۔ عادل ومنصف ہوسکتا ہے ۔وہ کیا نہیں ہوسکتا؟ وہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کی ان تمام صلاحیتوں کا رخ کدھر ہے؟ اور وہ اپنی ان قوتوں کو کس مقصد کے حق میں صرف کررہا ہے؟ کفرواسلام کا فیصلہ اسی مقام پر آکر ہوتا ہے۔ بلاشبہ ہاشمی کافروں نے بھی بہ ظاہر وہی استقامت دکھائی جو مسلمان ہاشمیوں نے دکھائی ۔ لیکن دونوں میں بہت بڑا اساسی فرق یہ تھا کہ مسلمانوں کی استقامت فقط خدا کی راہ میں تھی اور کافروں کی ساری ثابت قدمی صرف وقار ہاشمیت کے لیے تھی ۔دیکھنے میں پیتل بھی ویسا ہی چمکتا ہے جیسے سونا ۔لیکن پیتل،پیتل ہے اور سونا،سونا ۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ اس دوران محصوری میں شدائد سے گھبرا کر کافروں نے حضورؐ کو اور دوسرے مسلمانوں کو ملامت بھی کی ہوگی اور اسلامی تقاضوں کو ترک کرنے یا اس میں مداہنت پیدا کرنے کی ترغیب بھی دی ہوگی ۔لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ یہ زیادہ سے

زیادہ قریب رہ کر حضورؐ کے کریکٹر، اعلیٰ کردار واقدار، صداقت واستقامت اور حق پرستی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر متاثر ہوں اور مستقبل میں ان ہی منکروں کی ثابت قدمی اپنا رخ بدل کر اسلام کے کام آئے۔

موسیٰ بن عقبہ عن الزہری، ابن لہیعہ عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر اور ابن اسحاق وغیرہ کی روایت کے مطابق اس تیسرے سال کے آخر میں قریش کے اس حلف نامہ مقاطعہ کو دیمک چاٹ گئی اور اس کی خبر بھی حضورؐ نے ابوطالب کو دے دی تھی۔ یہ بھی ایک قدرتی مدد ہوگئی۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک نفسیاتی اصول ہے کہ بعض اوقات بڑے سے بڑے ظالم کے اندر بھی ظلم کے ردعمل کے طور پر انسانی ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ کچھ تو بنی ہاشم کی غیر معمولی استقامت و مظلومیت نے اثر کیا اور کچھ شرکائے مقاطعہ کے اندر ردعمل پیدا ہوا اور ان کے ضمیر نے احساس ندامت کی چٹکی لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اندر ہی اس ظلم مقاطعہ کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ ابوالبختری بن ہشام، مطعم بن عدی، زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ، زمعہ بن اسود، ہشام بن عمرو بن حارث نے اعلان کر دیا کہ:

> ''ہم لوگ اس حلف نامے کے پابند نہیں۔'' یہ تحریک سب سے پہلے ہشام بن عمرو ہی کے دل میں پیدا ہوئی تھی اور اسی نے باقیوں سے بھی اس کا ذکر کیا اور انھوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ابوجہل نے شدید مخالفت کی مگر موثر نہ ہوئی۔ آخر مقاطعہ ختم ہوگیا۔ تمام مسلم و کافر بنی ہاشم گھاٹی (شعب بنی ہاشم) کے حصار سے باہر نکل آئے اور باہمی قبیلوی روابط پھر قائم ہو گئے۔

محصوری سے باہر آنے کے بعد:

ظاہر ہے کہ اس سہہ سالہ محصوری کے ذہنی اور جسمانی آزمائشوں نے سارے محصورین کو کمزور، نحیف اور خستہ حال کردیا ہوگا۔ حضورؐ کا حال ان سے کچھ مختلف نہ ہوگا۔ دل چاہتا ہوگا کہ کچھ آرام کرلیا جائے اور تین سال کی کمی پوری ہو جائے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مادی لحاظ سے جتنی آزمائشیں ہوئیں، اتنا ہی زیادہ ایمانی پختگی اور عزیمت واستقامت میں اضافہ ہوتا گیا حصار سے باہر آتے ہی حضورؐ کی تبلیغی سرگرمیاں اور تیز ہوگئیں۔ ہر گلی کوچے اور ہر مجمعے میں بے خطر پہنچ جاتے اور تبلیغ حق کا فرض ادا فرماتے رہتے۔ ابوجہل نے جابجا پہرے بٹھا دیے اور خود بھی حضورؐ کے پیچھے پیچھے جاتا اور کہتا پھرتا کہ: (خاک بدہنش) "اس دیوانے کی بات کوئی نہ سنے ورنہ برباد ہو جائے گا۔" اس کے باوجود اسلام روز بروز دلوں میں گھر کرتا اور پھیلتا گیا۔

دعائے مغفرت

چوک اعظم سے محمد قدیر کی ہمشیرہ

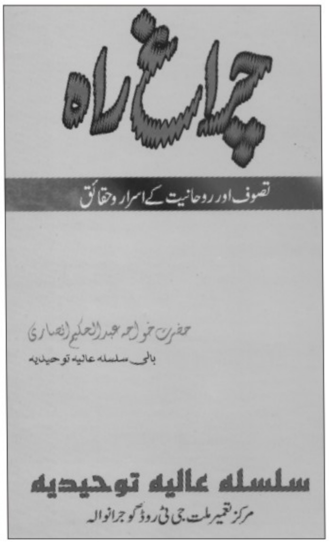
گکھڑ سے رانا دلشاد کی چچی

بھائی جان حامد محمود ڈار صاحب کی سالی

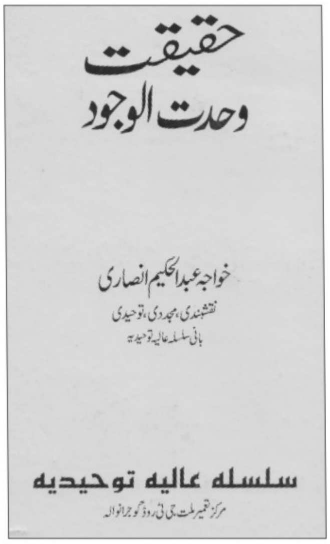
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

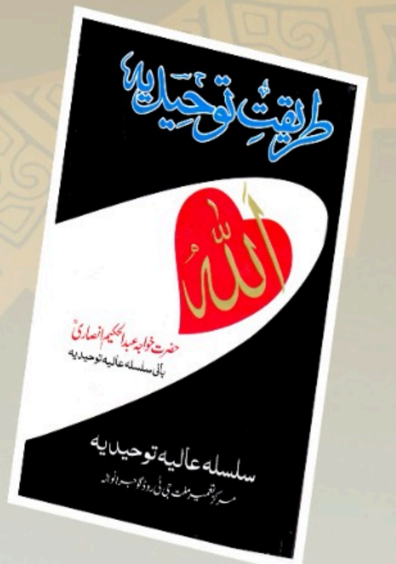


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com